جلد ۲۵ ولقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین عدد

ماہنامہ میثاق لاہور

اپریل ۱۹۷۷ء

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

مرتب

جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

فون : ۳۵۲۶۱۱

چندہ سالانہ -/۱۵ قیمت فی نسخہ

ماہنامہ
میثاق
لاہور

جلد ۲۵	ماہ اپریل ۱۹۷۷ء	شمارہ ۴

مشمولات

● تنظیم اسلامی کی اساسی دعوت			صفحہ الف
● عرض احوال	جمیل الرحمن		ب - ج - د
● انقلاب نبوی کا اساسی منہاج	ڈاکٹر اسرار احمد	,,	۱
● دینی جدوجہد اور اس کا طریق کار	سید محمد صہبم پاشا (کراچی)	,,	۱۷
● پہلے خلیفہ راشد رض	مولانا محمد طاہین (کراچی)	,,	۳۳
● شہید مظلوم حضرت عثمان رض	ڈاکٹر اسرار احمد	,,	۴۴
● تنظیم اسلامی کے تاسیسی اجلاس کی روداد	جمیل الرحمن	,,	۵۹

ضروری گزارشات

● ہر شمارہ احتیاط کے ساتھ چیکنگ کے بعد پوسٹ کیا جاتا ہے - خریدار حضرات کو اگر مہینے کی دس تاریخ تک پرچہ نہ ملے تو اطلاع دیں ' دوبارہ پرچہ ارسال کر دیا جائے گا - اس کے بعد تعمیل ممکن نہ ہو گی -

● ایجنسی ۵ پرچوں سے کم جاری نہیں ہوتی -

● میثاق کا پتہ تبدیل ہو گیا ہے - قارئین میثاق سے پتہ کی تبدیلی نوٹ کرنے کی درخواست ہے -

ماہنامہ میثاق - ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن - لاہور -

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے بااہتمام چوہدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ، ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور سے شائع کیا -

تنظیمِ اسلامی

کی اساسی دعوت

تجدیدِ عہد	توبہ	تجدیدِ ایمان

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

(النّسآء : ۱۳۶)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ

(التّحریم : ۸)

وَاذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمِیْثَاقَہُ الَّذِیْ وَاثَقَکُمْ بِہٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ

(المآئدۃ : ۷)

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْۤ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ

(البقرۃ : ۴۰)

جمیل الرحمٰن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ احوال

چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس کا التواء

۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخابات کی تکمیل کے بعد ملک میں اِس "انتخاب" کا جو شدید ردِّ عمل ہوا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ انتخابات میں مُبیّنہ دھاندلی، دھونس، دھوکہ اور دھمکی کے خلاف بطورِ احتجاج ایک تحریک ملک میں چل رہی ہے، جس کے دائرہ اثر و نفوذ میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور ملک اس وقت غیر یقینی اور نامساعد حالات سے دوچار ہے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مناسب سمجھا گیا کہ چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس جو ۲۵ تا ۲۷ مارچ ٹاؤن ہال لاہور میں منعقد ہونے والی تھی، غیر معیّنہ عرصے کے لیے ملتوی کر دی جائے۔ اِس التواء کا اعلان روزنامہ "نوائے وقت" لاہور اور روزنامہ "جنگ" کراچی میں کر دیا گیا تھا۔ نیز جن حضرات کو اس کانفرنس میں خطاب کرنے کی دعوت دی گئی تھی، اُن کو اس التواء کی اطلاع بذریعہ خطوط کر دی گئی تھی۔ اِن شاء اللہ جیسے ہی حالات معمول پر آئیں گے، اِس کانفرنس کے انعقاد کے لیے تاریخوں کا تعیّن کر کے اعلانِ عام کر دیا جائے گا۔

'تنظیمِ اسلامی' کا سالانہ اجتماع

اِسی صورتِ حال کے پیشِ نظر 'تنظیمِ اسلامی' کا دوسرا سالانہ اجتماع جو ۲۱/۲۲ مارچ کو منعقد ہونے والا تھا، ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اِن شاء اللہ العزیز حالات درست ہونے پر اِس کے انعقاد کی سبیل پر بھی غور ہوگا۔

موجودہ شمارہ

اِس شمارے کا پہلا مضمون ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اس مقالے پر مشتمل ہے جو موصوف نے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ کو "شامِ ہمدرد" لاہور میں پڑھا تھا۔ قارئینِ 'میثاق' سے بالعموم اور رُفقائے 'تنظیمِ اسلامی' سے بالخصوص اِس مقالے کے بالاستیعاب مطالعہ کی درخواست ہے۔ یہ مقالہ درحقیقت نہ صرف اُس اساسی منہجِ عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کارفرما رہا ہے، بلکہ اُس طریقِ کار کی بھی وضاحت کرتا ہے جو مرکزی انجمن خدّام القرآن

اور "تنظیمِ اسلامی" کے پیشِ نظر ہے۔

اِس شمارے کا دُوسرا مضمون ہمارے ایک نئے نوجوان قلمی معاون سیّد محمد صمیم پاشا کا ہے، جس کا عنوان ہے "دینی جِدّ و جُہد اور اُس کا طریقِ کار" صاحبِ مضمون ملک کی ایک دینی و سیاسی تحریک سے عملاً وابستہ رہے ہیں۔ اِس لیے اِس مضمون میں اُن کے عملی تجربات خاصے جھلکتے نظر آئیں گے۔ حق پسندانہ نقطۂ نظر سے اِس مضمون کے مطالعے سے بہت سے اہم نکات اِن شاء اللہ غور و فکر کے لیے قارئین کے سامنے آئیں گے۔

اِس شمارے کا تیسرا مضمون جناب مولانا طاسین صاحب کے اُس مقالے پر مشتمل ہے جو موصوف نے "پہلے خلیفۂ راشد" کے عنوان سے ۸ر فروری ۱۹۷۷ء کو این۔ ای۔ ڈی کالج کراچی یونیورسٹی کیمپس میں خلافتِ راشدہ کانفرنس میں پیش کیا تھا۔

اِس شمارے کا چوتھا مضمون "شہیدِ مظلوم حضرت عثمان ذُوالنّورینؓ" کی آخری قسط پر مشتمل ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ و بحمدہٖ قارئین کے حلقہ میں یہ خطاب بہت پسند کیا گیا ہے۔ اکثر احباب نے اِس کو پمفلٹ کی صورت میں طبع کرانے اور وسیع حلقے میں پھیلانے کی تجاویز پیش کی ہیں۔ خدا کو منظور ہوا تو اِس کی باری بھی آجائے گی۔

اِس شمارے کا آخری مضمون "تنظیمِ اسلامی" کے تاسیسی اجلاس کی رُوداد کی آخری قسط پر مشتمل ہے۔

اِعتذار

ماہ مارچ ۱۹۷۷ء کے شمارے میں کتابت کی کافی غلطیاں رہ گئی ہیں اِن میں ایک غلطی تو انتہائی تکلیف دہ ہے۔ وہ یہ کہ "دنیا کا ستم رسیدہ یتیم" والے مضمون میں صفحہ ۴۹ پر "مسلم آبادی کا بہترین اور بدترین گھر" کے تحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جس حدیثِ مبارکہ کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اُس کے درمیان میں ایک سطر رہ گئی ہے جس کی وجہ سے حدیث شریف کا مفہوم و مقصود ہی بالکل اُلٹ گیا۔ ہم اِس سہو اور فروگذاشت پر ربِّ غفور و رحیم سے بھی عفو و معافی کے خواستگار ہیں اور قارئینِ کرام سے بھی معذرت چاہتے ہیں :- رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ــــ محولہ بالا حدیث کا صحیح ترجمہ حسبِ ذیل ہے :-

> "مسلم آبادی میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بُرا سلوک کیا جاتا ہو" (سُنَنِ ابنِ ماجہ)

دوسری غلطی یہ ہے کہ 'تنظیم اسلامی' کے تاسیسی اجلاس کی دوسری قسط میں صـ۵۷ سطر ۲۴ اور صـ۵۸، سطر ۲۳ میں چودھری محمد لطیف (کرشن نگر والے) کے بجائے چودھری محمد لفضیر لکھا گیا ہے۔ اِن دونوں مقامات پر 'چودھری محمد لطیف' پڑھا جائے۔

بعض اہم کتابوں پر تبصرے، جن میں جناب مولانا حکیم فیض عالم صدیقی (جہلم) کی دو کتابیں پہلی "عترتِ رسولؐ" اور دوسری "شہادتِ ذُوالنّورینؓ" بھی شامل ہیں۔ اِس شمارے میں تنگیٔ داماں کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ اسی طرح بعض دوسرے مستقل عنوانات بھی رہ گئے ہیں اِنْ شاءاللہ اس کی آئندہ تلافی کی ہر امکانی کوشش کی جائے گی۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ؕ

قارئینِ 'میثاق' سے گذارش

راقم الحروف ماہنامہ 'میثاق' کے قارئین سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اگر کسی درجہ میں بھی اس رسالے کو مفید پاتے ہوں تو اِس کی توسیعِ اشاعت میں ادارے کے ساتھ تعاون فرمائیں جس کی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ 'میثاق' کا ہر مستقل خریدار اپنے قریب ترین اعزّہ و احباب اور حلقۂ اثر میں کم از کم دو چار حضرات کو 'میثاق' کی سالانہ خریداری قبول کرنے کی کوشش کرے۔ اِس طرح اِنْ شاءاللہ دیکھتے ہی دیکھتے 'میثاق' کا حلقہ وسیع تر ہو سکتا ہے۔ ہمارے بعض کرم فرما جو اس طرح تعاون فرما رہے ہیں، اُن کی خدمت میں ہدیۂ تشکر کے ساتھ دُعائے خیر بھی پیش ہے۔ اُمید ہے کہ 'میثاق' کے جملہ قارئین اِس درخواست پر خصوصی توجہ دے کر تعاون عَلَى الْبِرِّ فرمائیں گے!

بعض اصحاب کی خدمت میں زیرِ نظر شمارہ بطورِ نمونہ ارسال کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات سے گذارش ہے کہ براہِ نوازش دس پیسے کی قربانی کریں اور ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعے ہمیں اپنے فیصلے سے مطّلع فرمائیں کہ دعوت اِلَی اللہ اور دعوت رجوع اِلَی القرآن کے اِس ترجمان کی سالانہ خریداری اُن کو منظور ہے یا نہیں؟ منظوری اور عدمِ منظوری دونوں صورتوں میں ان حضرات سے اطّلاع دینے کی پُرزور درخواست ہے!

ماہنامہ 'میثاق' کی توسیعِ اشاعت میں تعاون فرمائیے!

انقلابِ نبوی

عَلٰی صَاحِبِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

کا اساسی منہاج

از

ڈاکٹر اسرار احمد

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر دنیا کے عام داعیانِ انقلاب پر قیاس کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'داعیٔ انقلاب' کے الفاظ سے یاد کیا جائے تو یہ یقیناً آپؐ کی تحقیر و توہین ہوگی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں بھی ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ "داعیٔ انقلاب" کا اطلاق اگر نسلِ آدم کے کسی فرد پر بہ تمام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں! اس لیے کہ تاریخِ انسانی کے دوران اور جتنے بھی انقلاب آئے وہ بشمول انقلابِ فرانس و انقلابِ روس سب کے سب جزوی تھے اور اُن کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کے صرف کسی ایک ہی گوشے میں تبدیلی رُونما ہوئی۔ جیسے انقلابِ فرانس سے نظامِ سیاست و حکومت میں اور انقلابِ روس سے نظامِ معیشت کے تفصیلی ڈھانچے میں جبکہ نبی اکرمؐ نے جو انقلابِ عظیم دنیا میں برپا کیا اس سے پوری انسانی زندگی میں تبدیلی رُونما ہوئی اور عقاید و نظریات، علوم و فنون، قانون و اخلاق، تہذیب و تمدن، معاشرت و معیشت اور سیاست و حکومت الغرض حیاتِ انسانی کا کوئی ایک گوشہ بھی بدلے بغیر نہ رہا۔

مزید برآں اس اعتبار سے بھی نسلِ انسانی کی پوری تاریخ میں کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے کہ کسی ایک ہی شخص نے انقلابی فکر بھی پیش کیا ہو، پھر دعوت کا آغاز بھی خود ہی کیا ہو، پھر تنظیمی مراحل بھی خود ہی طے کیے ہوں اور پھر اس انقلابی جدّوجہد کو کشمکش اور تصادم کے جملہ مراحل سے گذار کر خود ہی کامیابی سے ہمکنار بھی کردیا۔ کون نہیں جانتا کہ انقلابِ فرانس اُس فکر کے نتیجے میں رُونما ہوا جو والٹیئر اور روسو ایسے بیسیوں مصنفوں کی تالیفات کے ذریعے تخلیق پایا اور پھیلا۔ لیکن انقلاب عملاً کچھ اوباش لوگوں کے ہاتھوں برپا ہوا اور اس کی بالفعل رہنمائی میں ان مفکّرین کا کوئی حصّہ نہیں۔ اسی طرح انقلابِ روس کی اساس اس فکر پر قائم ہوئی جو مارکس نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "داس کیپٹل" کے ذریعے پیش کیا لیکن خود مارکس کی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کا امکان پیدا نہ ہوسکا۔ اگرچہ بعد میں ایک فعّال شخص لینن نے اس فکر کے ذریعے انقلاب برپا کردیا ——— اس پس منظر میں دیکھا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک نہایت محیّر العقول کارنامہ اور صد درجہ عظیم معجزہ ہے نبی اکرمؐ کا کہ آپ نے ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز فرما کر کل ۲۲ برس میں اور وہ بھی شمسی نہیں قمری، انقلابِ اسلامی کی تکمیل فرمادی اور ایک وسیع و عریض خطّے پر دینِ حق کو اپنے سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے سمیت بالفعل قائم و نافذ کردیا۔ فصلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا وفداہُ آباؤنا وامّھاتنا!

ایک فردِ واحد کی مختصر سی زندگی کے بائیس سالوں میں تاریخِ انسانی کے عظیم ترین اور ہمہ گیر ترین انقلاب کے از ابتداء تا انتہاء جملہ مراحل طے پا جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آنحضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے دوران حالات و واقعات کی رفتار اتنی تیز اور انقلابی عمل کا ٹمپو (TEMPO) اتنا شدید نظر آتا ہے کہ سیرتِ مطہّرہ کے مطالعے میں بالعموم نگاہیں صرف تصادم و کشمکش کے مختلف مراحل و مظاہر میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں اور جس طرح کسی زور شور سے بہنے والی پہاڑی ندی کو دیکھتے ہوئے انسان بالعموم اس کی سطح کے ہیجان و اضطراب ہی سے مبہوت سا ہو کر رہ جاتا ہے اور اُس کی گہرائی کے بارے میں سوچنے کا موقع ہی اسے نہیں ملتا۔ اسی طرح انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج بھی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہے۔ چنانچہ اوّل اوّل تو سیرتِ مطہّرہ سے متعلق جو مواد جمع ہوا تھا، وہ تھا ہی سارے کا سارا مغازی پر مشتمل۔ تاحال بھی سیرتِ مبارکہ کے مطالعے میں اصل توجّہ مرتکز رہتی ہے ہجرت سے پہلے کی PASSIVE RESISTANCE پر جس کے اہم نقوش ہیں تمام مسلمانوں پر بالعموم اور غلاموں پر بالخصوص شدید بہیمانہ تشدّد (PERSECUTION)، ہجرتِ حبشہ، شعبِ بنی ہاشم، یومِ طائف، فیصلۂ قتلِ نبویؐ، محاصرۂ کاشانۂ نبوّت، غارِ ثور اور تعاقبِ سراقہ ابن مالک ——— اور ہجرت کے بعد کے اقدام اور ACTIVE RESISTANCE پر جس کے اہم اور نمایاں

نشانات ہیں قریش کی معاشی ناکہ بندی، بدر، اُحد اور احزاب کا مسلّح تصادم جس میں عارضی سا وقفہ ہوا صلح حدیبیہ سے جس کے ختم ہوتے ہی تصادم دوگونہ ہوگیا۔ یعنی اندرونِ عرب بھی جس کے اہم نقوش ہیں فتح خیبر، فتح مکہ اور غزوۂ حنین اور بیرونِ عرب بھی جس کے نمایاں نشانات ہیں غزوۂ موتہ اور سفرِ تبوک۔

حضرت اکبر الٰہ آبادی کے اس حد درجہ سلیس لیکن نہایت پُرمعنی شعر کے مصداق کہ ؎

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے؟ منظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

غور کرنا چاہیے کہ آنحضورؐ کی عظیم انقلابی جدّوجہد کی تہہ میں کارفرما وہ اصل طریق کار اور اساسی منہج عمل کیا تھا جس کے ذریعے وہ مردانِ کار فراہم ہوئے جنھوں نے آیۂ قرآنی :

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۲۳)

"اہلِ ایمان میں وہ جواں مرد ہیں جنھوں نے پورا کر دکھایا وہ عہد جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا۔ پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پیش کر کے سرخرو ہو چکے اور وہ بھی ہیں جو منتظر ہیں کہ کب باری آئے اور وہ بھی اللہ کی راہ میں سر کٹا کر سبکدوش ہو جائیں۔ بہرصورت انہوں نے اپنے موقف سے سرِمُو تبدیلی نہیں کی۔"

کے مصداق انقلاب نبویؐ کے شجرۂ طیبہ کو اپنے خون سے سینچا اور اپنی ہڈیوں اور گوشت پوست کی کھاد سے پروان چڑھایا ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

قرآنِ حکیم کی چار اہم اصطلاحات

اس مسئلے کے حل کے لیے جب ہم قرآنِ حکیم کی جانب رجوع کرتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کی وضاحت کے لیے اگر تین بار ان الفاظِ مبارکہ کو دہرایا کہ:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط (سورۂ توبہ، سورۂ فتح، سورۂ صف)

یعنی وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اُس کو پُورے کے پُورے دین پر!

تو انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لیے بھی چار اہم اور بنیادی اصطلاحات کو پورے

چار بار دُہرایا ـــــــ یعنی :

۱- تلاوتِ آیات، ۲- تزکیۂ نفوس، ۳- تعلیم کتاب اور ۴- تعلیم حکمت !

۱- چنانچہ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کے پندرھویں رکوع کے آخر میں حضرتِ ابراہیمؑ اور حضرتِ اسمٰعیلؑ کی دعا میں یہ الفاظ وارد ہوئے :

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَ أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (البقرہ : ۱۲۷ تا ۱۲۹)	اے ربّ ہمارے ہم دونوں کو بھی اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی اُمّت برپا کیجو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں تعلیم فرما ہماری عبادت کے طور طریقے۔ اور قبول فرما ہماری توبہ یقیناً تو توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے ربّ ہمارے تو مبعوث فرمائیو ان میں ان ہی میں سے ایک رسول جو اُن کو سُنائے تیری آیتیں، اور انہیں تعلیم دے کتاب اور حکمت کی۔ اور تزکیہ کرے اُن کا۔ بے شک تو ہی ہے سب پر غالب اور کامل حکمت والا۔

۲- پھر تین ہی رکوعوں کے بعد، اٹھارویں رکوع کے آخر میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ آنحضورؐ کی بعثت دراصل اسی دعائے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ علیٰ نبیّنا وعلیہما الصّلوٰۃ والسّلام کا ظہور ہے، ان ہی اصطلاحاتِ اربعہ کو دہرایا گیا :

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ : ۱۵۱)	چنانچہ بھیج دیا ہے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے جو سناتا ہے تمھیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمھارا اور تعلیم دیتا ہے تمھیں کتاب اور حکمت کی اور تعلیم دیتا ہے تمھیں ان چیزوں کی جنھیں تم نہیں جانتے تھے۔

۳- اگلی سورت یعنی سورۂ آلِ عمران میں یہ مضمون مزید شان اور آن بان کے ساتھ وارد ہوتا ہے :- لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ

	اللہ نے احسانِ عظیم فرمایا ہے اہلِ ایمان پر کہ اٹھایا ان میں ایک رسول ان ہی میں کا جو سناتا ہے انہیں اُس کی آیات اور تزکیہ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں!

(آلِ عمران : ۱۶۴)

۴۔ آخری بار یہ مضمون اٹھائیسویں پارے میں سورۂ جمعہ میں آتا ہے :

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الجمعۃ : ۲)	وہی ہے (اللہ) جس نے اٹھایا اُمیوں میں ایک رسول ان ہی میں سے جو سناتا ہے انہیں اس کی آیات اور تزکیہ کرتا ہے ان کا اور تعلیم دیتا ہے ان کو کتاب اور حکمت کی۔ اگرچہ وہ تھے اس سے قبل کھلی گمراہی میں۔!

اور یہاں اس کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ سورۂ جمعہ سے متصلاً قبل ہے سورۂ صف جس کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کے انقلابی پہلو کو واضح کیا گیا ہے، یعنی :۔

" هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ "

گویا آنحضورؐ کا مقصدِ بعثت ہے : اظہارِ دینِ حق علی الدّین کلّہٖ اور اُس کے لیے آپ کا طریقِ کار اور منہجِ عمل ہے : تلاوتِ آیات، تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت !

مقصد اور طریقِ کار

اس مقام پر ذرا توقف کر کے ایک اہم حقیقت پر غور کر لینا چاہیے اور وہ یہ کہ کسی بھی اہم کام کے لیے مقصد اور طریقِ کار دونوں نہایت اساسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مقصد میں آخری منزل پیشِ نظر رہتی ہے اور طریقِ کار میں ہر ہر مرحلے کے لوازم پر توجہ دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کا توازن ہی کسی کام کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کا ضامن بن سکتا ہے اور جو شخص یا گروہ بیک وقت ان دونوں کو ملحوظ نہ رکھ سکے وہ اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتا ہے۔ ماضی کی تاریخ بھی ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے اور خود ہمارے گرد و پیش بھی اس کی زندہ مثالیں موجود ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخصیت یا جماعت اپنے پیشِ نظر مقصود کے حصول کی عجلت میں درمیانی مراحل کو پھلانگ جانا چاہتی ہے اور کسی راہِ قصیر (SHORT CUT) کی دلدل میں ایسی پھنستی ہے کہ پھر لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے

باوجود اُس سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوتا اور وہ راہِ قصیر اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتی۔ گویا وہ کمبل کو چھوڑنا چاہے بھی تو کمبل اُسے نہیں چھوڑتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقفہ وقفہ سے اپنے متوسّلین کی ہمت یہ کہہ کر بندھائی جاتی ہے کہ : ع

”اِس موڑ سے آگے منزل ہے، مایوس نہ ہو بڑھتا جا !“

اور کبھی اس کے برعکس یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ذریعے ہی کو مقصد بنا بیٹھتا ہے اور راستے ہی کو منزل قرار دے لیتا ہے۔ نتیجۃً ساری توانائیاں ایک دائرے میں حرکت کرتے رہنے میں صرف ہو جاتی ہیں اور اہلِ قافلہ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ؕ کے مصداق صرف حرکت اور اُس کی تیز رفتاری ہی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں

اَب اگر اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں کہ ہر کام کے لیے ایک مناسب طریق ہوتا ہے اور ہر مقصد کے لیے ہر طریقِ کار موزوں نہیں ہوتا تو جو لوگ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے قیام کے خواہش مند ہوں اُن کے لیے لازمی و لابدی ہے کہ وہ غور کریں کہ آنحضورؐ کا اصل منہجِ عمل کیا تھا۔ مبادا وہ بھی مذکرہ بالا اِفراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جائیں !

اس ضمن میں کتنی پیاری ہے وہ بات جو امام مالکؒ نے فرمائی کہ : لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا۔ ”اس اُمّت کے آخری حصّے کی اصلاح نہ ہو سکے گی مگر صرف اُسی طریق پر جس پر پہلے حصّے کی کایا پلٹ ہوئی تھی“ ـــــ اور کتنی حیرتناک ہے یہ حقیقت کہ دَورِ نبویؐ سے اِس قدر قُرب کے باوصف ائمہٴ دین کو کتنی فکر تھی اس آخری دَور کی جس میں ہم جی رہے ہیں !

اس ضمن میں ایک اور اہم حقیقت بھی قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ قرآنِ حکیم انقلابِ اسلامی کے لیے کسی منہجِ عمل کی جانب رہنمائی نہیں کرتا تو اسے محسوس کرنا چاہیے کہ یہ قرآن مجید پر بھی ایک سنگین طعن ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی حد درجہ ناروا سوءِ ظن اس لیے کہ مسلمانوں پر 'خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ' کے قیام کی سعی کو مستقلاً فرض اور واجب کر دینا لیکن اس کے لیے کسی واضح طریقِ کار کی نشاندہی ہی نہ کرنا صریح ظلم قرار پائے گا۔ فَسُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ! ـــــ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے نہ تو بفحوائے الفاظِ قرآنی : ”وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ“ اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت کو پہچانا، نہ بفحوائے الفاظِ مبارکہ : ”اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ؕ“ قرآنِ حکیم ہی پر

غور کیا۔ بلکہ اسے : "نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ"[1] کے مصداق پسِ پشت ڈال دیا اور صرف حصولِ ایصالِ ثواب کا آلہ بنا کر رکھ دیا ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

مرکز و محورِ قرآنِ حکیم

اب ذرا ان چار اصطلاحات پر توجہ مرکوز فرمائیے جن میں نبی اکرمؐ کے اساسی منہجِ عمل کا بیان ہوا ہے تو سب سے نمایاں حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان سب کا مرکز و محور خود قرآنِ حکیم ہے! اس لیے کہ ان میں سے پہلی اور تیسری یعنی تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب تو بالبداہت قرآنِ مجید ہی سے متعلق ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری اور چوتھی کا مدار بھی قرآن ہی پر ہے اس لیے کہ بفحوائے الفاظِ قرآنی: "قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ"[2] (لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے موعظت و نصیحت بھی اور جملہ امراضِ قلبی کی شفا بھی) تزکیۂ نفوس، تصفیۂ قلوب اور تجلیۂ باطن درحقیقت ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا اور بفحوائے الفاظِ قرآنی: "ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ"[3] (یہ ہے وہ حکمت جو تیرے رب نے تجھ پر وحی فرمائی) حکمت بھی جزوِ لاینفک ہے قرآنِ حکیم کا!

گویا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہجِ عمل پورے کا پورا گھومتا ہے قرآنِ مجید کے گرد، یا سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیا جائے کہ آنحضورؐ کا آلۂ انقلاب ہے قرآنِ حکیم!

یہ ہے وہ حقیقت جسے نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں تو بیان کیا مولانا حالی نے کہ ؎

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

اور حد درجہ پُرشکوہ الفاظ میں بیان فرمایا علامہ اقبالؒ نے کہ: ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن — نیست ممکن جز بقرآں زیستن!
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہان و ہم پیدا است اُو — زندہ و پائندہ و گویا ست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

گویا آنحضورؐ کی تعلیم و تربیت کا ثمرہ یہ تھا کہ قرآنِ حکیم: "چوں بجاں در رفت!" کے مصداق

[2] یونس : ۵۷ [3] بنی اسرائیل : ۳۹

صحابہ کرامؓ کے باطن میں سرایت کر گیا اور اُن کے اذہان و قلوب اس کے نُور سے منور ہو گئے۔ نتیجۃً اُن کی زندگیوں میں ایک انقلابِ عظیم برپا ہو گیا۔ اُن کی سوچ بدل گئی، اُن کا فکر بدل گیا، اُن کے عقاید بدل گئے، اُن کی اقدار بدل گئیں، اُن کے عزائم بدل گئے، اُن کے مقاصد بدل گئے اُن کی آرزوئیں بدل گئیں، اُن کی تمنائیں بدل گئیں، اُن کے دن بدل گئے، اُن کی راتیں بدل گئیں، اُن کی صبحیں بدل گئیں، اُن کی شامیں بدل گئیں، اُن کی زمین بدل گئی، اُن کا آسمان بدل گیا یہاں تک کہ اگر پہلے زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہو گئی! اور یہ ساری تبدیلی ثمر تھی ایک کتاب اور اُس کے علم و حکمت اور اس کے معلّم اور اُس کی تعلیم و تربیت کا — فصلی اللہ علیہ وسلّم! اسی لیے فرمایا آنحضورؐ نے کہ: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (میں تو صرف معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں[1]! واضح رہنا چاہیے کہ آنحضور کا اصل ایجابی اور مثبت عمل صرف اور صرف تلاوتِ آیات و تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت تھا۔ تصادم اور کشمکش کی وہ ساری صورتیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اصلاً مظہر ہیں اُس ردِّ عمل کا جو ایک غلط نظامِ فکر و عمل کی جانب سے دعوتِ حق کے جواب میں پیش آنا لازمی و لابدی ہے۔ تاہم اصل عمل اور ردِّ عمل کے تدارک کے لیے اختیار کی جانے والی تدابیر کے مابین فرق و امتیاز نہ کرنا بڑی نا سمجھی ہے!

کتابِ الٰہی اور اُس کے معلّم کی ذاتِ اقدس کی عظمت یقیناً ظاہر ہے کہ بیان تو کجا تخیّل و ادراک کی گرفت میں بھی نہیں آ سکتی۔ موجودہ دَور میں تو ایک عام انسان کی تصنیف کا یہ اعجاز نگاہوں کے سامنے ہے کہ رُوئے زمین کے ایک بہت بڑے حصّے پر جو نظام قائم ہے وہ سب اُس کے ظہور و بروز کے سوا اور کچھ نہیں۔ غالباً اسی لیے کہا تھا علّامہ اقبال مرحوم نے مارکس کے بارے میں کہ ع: "نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب!"

تلاوتِ آیات

اِس اجمال کی تفصیل قرآنِ حکیم کے طول و عرض میں تانے بانے کے مانند بُنی ہوئی ہے۔ چنانچہ کارِ نبوّت و رسالت کی تکمیل اور فرائضِ دعوت و تبلیغ کے جتنے پہلو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں اُن سب کا مبنیٰ و مدار اور مرکز و محور خود قرآن ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اِس ضمن میں طوالت کے خوف کے باوجود چند اشارات ضروری ہیں:۔

١۔ قرآنِ حکیم کی رُو سے انبیاء و رُسل کے فرائض میں سب سے زیادہ اساسی فریضہ اِنذار و تبشیر کا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں بہت سے انبیاء و رُسل کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

[1] سنن ابن ماجہ

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (النّساء : ۱۶۵)

(یہ حضرات) رسول بنا کر بھیجے گئے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے، تاکہ ان (کی بعثت) کے بعد لوگوں کے پاس خدا کے سامنے کوئی دلیل (عذر) نہ رہ سکے!

سورۂ کہف میں بطورِ کلیہ ارشاد فرمایا:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۝ (آیت: ۵۶)

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر صرف مبشّر اور نذیر بنا کر!

اور سورۂ بنی اسرائیل میں تعلق کے ساتھ آنحضورؐ کو خطاب کر کے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (آیت: ۱۰۵)

اور نہیں بھیجا (اے نبیؐ!) ہم نے آپ کو مگر صرف مبشّر اور نذیر بنا کر!

اب دیکھیے کہ از رُوئے قرآن اس انذار و تبشیر کا مبنیٰ و مدار خود قرآنِ حکیم ہی ہے:۔

● سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(۹ - ۱۰ بنی اسرائیل)

بے شک یہ قرآن اُس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں، اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے!

● سُورۂ کہف کا آغاز اِن مُبارک الفاظ سے ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری۔ اور اُس میں اس نے کوئی کج پیچ نہیں رکھا۔ بالکل ہموار اور استوار، تاکہ وہ اپنی جانب سے جھٹلانے والوں کو ایک سخت عذاب سے آگاہ

لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ (۱-۲ کہف) کردے اور ایمان لانے والوں کو جو نیک اعمال کر رہے ہیں، اس بات کی خوشخبری سُنا دے کہ اُن کے لیے بہت اچھا اجر ہے!

● اور سورۂ مریم کے اختتام پر فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۹۷- مریم)

پس ہم نے اِس کتاب کو تمھاری زبان میں اس لیے سہل و سازگار بنایا کہ تم اس کے ذریعے خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دو اور جھگڑالو قوم کو آگاہی سُنا دو۔

● سورۂ انعام میں فرمایا:

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۝ (آیت : ۱۹)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں بھی اس کے ذریعہ سے تم کو ڈراؤں اور وہ بھی جن کو یہ پہنچے۔

۲- فرائضِ نبوّت کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی دوسری اہم اصطلاح 'تذکیر' ہے۔ اِس ضمن میں اس سے قطعِ نظر کہ قرآن خود اپنے آپ کو جابجا الذّکر، ذِکریٰ اور تَذْکِرَہ قرار دیتا ہے۔ سُورۂ قٓ کے آخر میں یہ صریح حکم بھی دے دیا گیا کہ:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ یعنی تذکیر کرو بذریعہ قرآنِ حکیم۔

۳- اسی طرح فرائضِ رسالت کے ذیل میں قرآنِ حکیم کی ایک اہم اصطلاح 'تبلیغ' ہے چنانچہ اس کے ضمن میں بھی اللّٰہ تعالیٰ نے تو اپنے نبیؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: "بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ[1]" (پہنچا دو جو کچھ نازل کیا گیا تم پر تمہارے ربّ کی جانب سے) اور آنحضورؐ نے اُمّت کو حکم دیا کہ: "بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً ؕ" (پہنچا دو میری جانب سے خواہ قرآن کی ایک ہی آیت ہو!) گویا تبلیغ کا اصل موضوع قرآن مجید اور اُس کی آیاتِ بیّنات کے سوا اور کچھ نہیں!!

۴- غالباً اس سلسلے کی سب سے جامع اصطلاح 'دعوت' ہے جس کے ضمن میں سُورۂ نحل میں یہ جامع و مانع ہدایت دی گئی کہ:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بُلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور موعظۂ حسنہ سے اور بحث و

[1] سورہ مائدہ : آیت ۶۷

بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (آیت: ۱۲۵) جدال کرو اِس طور سے جو نہایت عمدہ ہو

اب غور فرمائیے کہ جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے حکمت بھی قرآنِ حکیم ہی کا ایک جزوِ لاینفک ہے اور موعظۂ حسنہ کا مصداقِ کامل بھی خود قرآن مجید ہی ہے اور خواہ ملحدین ہوں یا مشرکین، یہود ہوں یا نصاریٰ، منکرینِ قیامت ہوں یا مکذبینِ رسالت، کافر ہوں یا منافق اِن سب کے ساتھ مفصل مباحثہ و مجادلہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ گویا دعوت اِلیَ اللہ یا دعوت اِلیٰ سبیلِ ربّ کا اصل مبنیٰ و مدار خود قرآنِ حکیم ہے۔

گویا یہ تفصیل و تشریح ہوئی "تلاوتِ آیات" کی کہ انذار ہو یا تبشیر، تبلیغ ہو یا تذکیر اور مباحثہ ہو یا مجادلہ، دعوتِ نبویؐ کا مرکز و محور ہیں آیاتِ قرآنی۔

تزکیہ

اب آئیے عملِ تزکیہ کی جانب جس کے ضمن میں افسوس ہے کہ قرآن کی ناقدری کا معاملہ اُمتِ مسلمہ نے آخری حدوں تک پہنچا دیا۔ ظاہر ہے کہ انسانی شخصیت مجموعہ ہے فکر و عمل کا اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں بایں معنیٰ کہ "گندم از گندم بروید، جو ز جو!" کے مصداق غلط فکر، غلط عمل ہی کو جنم دے سکتا ہے۔ اور صحیح عمل کے لیے تصحیحِ فکر لازمی و لابدی ہے۔ گویا اگر کسی انسان کے فکر کی تطہیر ہو جائے اور فاسد خیالات اور غلط افکار و نظریات کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا جائے تو غیر صالح اعمال اور ناقص عادات و اطوار آپ سے آپ پت جھڑ کے پتّوں کی طرح جھڑتے چلے جائیں گے، اور اگر صحیح فکر کی جڑیں ذہنِ انسانی میں راسخ ہو جائیں تو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے برگ و بار بلا تکلّف از خود نمایاں ہو جائیں گے۔۔۔ اسی عمل (PHENOMENON) کو قرآنِ حکیم "یُکَفِّرْ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ" بھی قرار دیتا ہے اور "یُبَدِّلُ اللہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ" بھی۔ اور یہی قرآنِ حکیم کا اصل فلسفۂ تزکیہ ہے یعنی یہ کہ تزکیۂ نفس کے لیے اضافی اور مصنوعی تدابیر نہ ضروری ہیں نہ مفیدِ مطلب۔ بلکہ تزکیہ عملِ لازمی نتیجہ ہے تطہیرِ فکر کا اور وہ فطری ثمرہ ہے تلاوتِ آیات کا۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ ابراہیم و اسمٰعیل علیٰ نبیّنا و علیہما الصّلوٰۃ والسّلام نے تو اصطلاحاتِ اربعہ میں تزکیہ کا ذکر آخر میں کیا تھا لیکن قرآن مجید میں بقیہ تینوں مقامات پر اس کا ذکر تلاوتِ آیات کے فوراً و معاً بعد ہوا ہے!

تزکیۂ نفس کے ضمن میں ایک دوسری حقیقت بلاشبہ یہ بھی ہے کہ انسانی شخصیت میں فکر اور عمل کے مابین ایک اور عنصر جذبات کا بھی ہے اور ویسے تو اِن کی اہمیت ہر انسان کی زندگی میں مسلّم ہے لیکن خصوصاً وہ لوگ جن کا شعور پختہ نہیں ہوتا یا جو عقلاً بالغ نہیں ہوتے اُن کی زندگیوں

میں تو فیصلہ کُن اہمیّت اِن ہی کو حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے اِس کا کہ قرآن دعوت کی اساس صرف حکمت ہی پر نہیں رکھتا موعظت پر بھی رکھتا ہے اور اپنے آپ کو موعظۂ حسنہ بھی قرار دیتا ہے اور "شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" بھی! — اس پس منظر میں دیکھئے کہ کس قدر افسوس ناک ہے وہ صورتِ حال جس کا نقشہ علّامہ اقبال نے اِن اشعار میں کھینچا ہے

کہ:- صُوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست — از شرابِ نغمۂ قوّال مست!
آتش از شعرِ عراقی در دلش — در نمی سازد بقرآں محفلش!

حالانکہ اگر جذبات کی جِلا اور سوز و گداز و کیف و سُرور کی کیفیات مطلوب ہوں تو اُن کا بھی سب سے بڑا منبع و سرچشمہ خود قرآن مجید ہی ہے۔ مولانا شبّیر احمد عثمانیؒ نے اپنے حواشیٔ ترجمۂ قرآن میں اپنے والدِ مرحوم کے یہ حد درجہ سادہ مگر پُر تاثیر اشعار نقل کئے ہیں: ؎

سُنتے سُنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو — کان بہرے ہو گئے دل بے مزہ ہونے کو ہے
آؤ سُنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی — کوہ جس سے خاشعاً متصدّعاً ہونے کو ہے

اِس ضمن میں ذرا غور فرمائیے اور داد دیجئے اس پر کہ نفسِ امّارہ کی طوفاں خیزیوں، اور ابلیسِ لعین کی وسوسہ اندازیوں سے بچنے کے لیے کس قدر صحیح مشورہ دیا ہے علّامہ اقبال مرحوم نے

کہ: کشتنِ ابلیس کارے مشکل است — زانکہ اُو گُم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی — کُشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی

تعلیمِ کتاب

آنحضورؐ کے طریقِ انقلاب میں تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد نمبر آتا ہے 'تعلیمِ کتاب' کا جو اصلاً عبارت ہے شریعتِ اسلامی کے اوامر و نواہی کی تعلیم اور احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ سے۔ اس لیے کہ قرآنِ حکیم میں لفظِ کتاب کا اطلاق بالعموم شریعت کے قواعد و ضوابط پر ہوا ہے جیسے: "اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ط" میں یا: "وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ط" میں۔ اسی طرح قرآن مجید میں کسی شَے کی فرضیّت و مشروعیّت کے لیے بھی "کُتِبَ" کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے جیسے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" — "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ" — "كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ِۨ الْوَصِيَّةُ" — "رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ۔ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ"

واضح رہنا چاہیئے کہ تلاوتِ آیات اور تزکیے کے مراحل طے ہو جانے کے بعد ہی انسانی

شخصیت کی زمین پُورے طور پر تیار ہوتی ہے کہ اِس میں شریعت کے اوامر و نواہی اور احکامِ الٰہی کے بیج بوئے جائیں اور وہ بِرّ و تقویٰ کی ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی کی صورت اختیار کرلے بصورتِ دیگر فصل کا حصُول درکنار بیج بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ یہی سبب ہے اس کا کہ قرآن مجید کا "کتاب" والا حصّہ یعنی اس کی وہ آیات و سُوَر جن میں حلال و حرام کے تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں، اُس وقت نازل ہوا جب پُورے پندرہ سال کی محنتِ شاقّہ کے نتیجے میں، جس میں تمام تر توجہات تلاوتِ آیات اور تزکیے پر مرتکز رہی تھیں، ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا جو، ان احکام کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں بے تاب تھا! اس کی سب سے نمایاں اور درخشاں مثال حرمتِ شراب کے معاملے میں ملتی ہے کہ اُدھر حکم نازل ہوا اِدھر شراب کے برتن توڑ ڈالے گئے اور پھر ان لوگوں نے کبھی شراب کا خیال تک دل میں نہ آنے دیا جن کی گھُٹّی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور پُوری پُوری عمریں پینے اور پلانے میں گذری تھیں۔ اور اس کے بالکل برعکس معاملہ ہوا اِس دَور میں امریکہ ایسے تعلیم یافتہ اور مہذّب و متمدّن ملک میں جہاں ——— PROHIBITION ACT کی دھجیاں بکھر کر رہ گئیں اور "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے آگے تمام سائنسی حقائق اور اعداد و شمار دھرے کے دھرے رہ گئے!

تعلیمِ حکمت

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کا نقطۂ عُروج (climax) ہر 'تعلیم حکمت' ——— حکمت اصلاً عبارت ہے انسانی عقل اور شعور کی پختگی کی اُس سطح سے جہاں پہنچ کر احکامِ شریعت کے اَسرار و رموز واضح ہوجاتے ہیں اور اُن کی حکیمانہ غرض و غایت منکشف ہوجاتی ہے۔ گویا احکام بے جان اور زبردستی کے ساتھ ٹھونسے ہوئے اوامر و نواہی نہیں رہتے بلکہ فکر و عمل کے ایک حد درجہ حکیمانہ نظام کے ایسے باہم دگر منظّم و مربُوط اجزاء کی صُورت اختیار کرلیتے ہیں، جن میں نہایت حسین توازن و توافق موجود ہو۔ یاد ہوگا، یہی اصل موضوع ہے فاتحِ دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شہرۂ آفاق تالیف "حُجّۃُ اللّٰہِ البَالِغہ" کا اور یہی ہے وہ جنسِ کمیاب جسے قرآن حکیم 'خیرِ کثیر' قرار دیتا ہے بفحوائے الفاظِ قرآنی: یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ[1] (اور یہ بات بھی محض اتفاقی نہیں کہ 'خیرِ کثیر' بھی نام ہے حضرت شاہ صاحب کی ایک حد درجہ پُراز حکمت تصنیف کا!) گویا حکمت کی تحصیل ہر انسان کے بس کا روگ نہیں، بلکہ یہ تعلیم و تربیتِ نبویؐ کا وہ 'درجۂ تخصّص' ہے جس سے فیض یاب صرف وہی ہوسکتے ہیں جن کے

[1] سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۹

نفوس میں علم کی ایک پیاس فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اُن کے لیے ظواہر پر اکتفا ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ حقائقِ باطنی کی تحقیق و تفتیش پر اسی طرح مجبور و مضطر ہو جاتے ہیں جس طرح بھوکا تحصیلِ غذا پر اور پیاسا تلاشِ ماء پر ـــــ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ !! اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں! !

اس ضمن میں بھی اس خیال سے کہ حکمت سے لازماً قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز مراد ہے قرآنِ حکیم کے ساتھ ایک نادانستہ اور غیر شعوری سُوءِ ظن کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حکمت تو قرآن کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے، اس لیے بھی کہ اِس کی ایک مستقل صفت ہی "حکیم" ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اُس کی شان یہ ہے کہ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ مزید برآں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے قرآن میں صراحتاً بھی مذکور ہے کہ: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط"

اور اس سلسلے میں بھی حظ اُٹھائیے اور وجد میں آئیے علامہ اقبالؔ کے اِن اشعار پر: ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم! تا کُجا در حُجرہ ہا باشی مقیم

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کُن نکتۂ شرعِ مُبیں را فاش کُن!

افسوس ہے کہ ہمارے اربابِ علم و فضل نے بہت کم توجّہ دی قرآنِ حکیم کی اِن اصطلاحاتِ اربعہ پر جو قرآن مجید میں ایک نہ دو پُورے چار مرتبہ دہرائی گئیں، حالانکہ بلا سبب تکرار بظاہر کلام کا عیب شمار ہوتا ہے اور نہ قرآنِ عظیم کے مصنّف و مؤلّف تبارک و تعالیٰ کے پاس ذخیرۂ الفاظ کی کمی تھی نہ عربی زبان کا دامن ہی اتنا تنگ تھا کہ ہر بار مختلف الفاظ نہ لائے جا سکتے۔ اس اعادہ و تکرار کا سبب ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اگرچہ ویسے تو قرآن مجید کا ہر ہر لفظ غالبؔ کے اس شعر کا مصداقِ کامل و اتم ہے کہ: ؎

گنجینۂ معنی کا طلسم اُس کو سمجھیے جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے!

لیکن اِن اصطلاحاتِ اربعہ کی حیثیت تو بالخصوص ایسی ہے کہ اِن پر توجّہات کو بالکل ؏ "زیرِ ہر ہر لفظ غالبؔ چیدہ اَم میخانہ!" کے مصداق مرتکز کر دیا جائے۔ اور اِس کی ایک سعیٔ بلیغ میری محدود معلومات کی حد تک، کم از کم دورِ حاضر اور ماضیٔ قریب میں صرف مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی ایک تالیف 'مبادیٔ تدبّرِ قرآن' میں کی ہے

الغرض! انقلابِ نبوی کے تکمیلی مراحل تو وہی ہیں جو ہر انقلاب میں پائے

جانے لازمی ہیں یعنی دعوت و تنظیم، تصادم و کشمکش، ہجرت و انقطاع
اور جہاد و قتال ۔ لیکن اس کا اساسی منہاج مشتمل ہے تلاوتِ آیات،
تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت پر، جس کا مرکز و محور ہے قرآنِ حکیم!

اِنفرادی تبدیلی

اگر آپ کسی ایک فرد کی زندگی میں بھی یہ 'انقلاب' لانا چاہیں تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے آپ اس کے فکر کا جائزہ لیں اور تلاوتِ آیات کے ذریعے اس کے ذہن کو فاسد خیالات اور غلط نظریات سے اور اُس کے قلب کو فاسد ارادوں اور غلط اُمنگوں اور خواہشات سے پاک کریں۔ اُس کے فکر کی ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرّسالت کی محکم اساسات پر ازسرِ نو تعمیر کریں اور اس کے قلب کو نورِ ایمان سے منوّر کر دیں۔ اِس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر صالح اعمال اور غلط عادات و اطوار پت جھڑ کے پتّوں کی طرح خود بخود جھڑ جائیں گے۔ اور تب موزوں وقت آئے گا اِس کا کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی تلقین اسے کی جائے۔ گویا اس کے وجود پر شریعت کا نفاذ عمل میں آجائے۔ پھر اگر وہ صاحبِ استعداد ہو تو ایک قدم اور آگے بڑھ کر حکمت کی تحصیل کرے جس سے اسے انشراحِ صدر اور اطمینانِ قلب بھی حاصل ہو جائے گا ـــــ اور اُس کی شخصیت میں اِس انقلاب کو تمکّن و استقلال بھی حاصل ہو جائیگا۔ اصل میں یہ ہے وہ محنت و مشقت جس کا ثمرہ بیان ہوا آنحضورؐ کے اُس حکیمانہ قول میں جو آپ نے حضرتِ علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ: "لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ"! (اے علی! اگر اللہ تمھارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سُرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے!) اور اگر آپ اس ہفت خواں کو طے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو آپ کی حالت وہی ہوتی جو ہمارے معاشرے میں ان بہت سے بڑے بوڑھوں کی ہوتی ہے جنھوں نے اپنی نوجوان نسل کو حوالے تو اُس نظامِ تعلیم کے کیا ہے جس کے بارے میں غلط نہیں کہا جس نے بھی کہا کہ ؎

یُوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ۔۔۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سُوجھی

اور یہ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا ۔۔۔ کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

نتیجتاً کسی کے ذہن پر رسل سوار ہے اور کسی کے سارتر، کوئی فرائڈ کا شیدائی ہے اور کوئی یونگ یا ایڈلر یا مکڈوگل کا۔ کسی پر ڈارون کا جادو چلا ہوا ہے اور کسی پر ہیگل اور مارکس کا ـــــ چنانچہ خدا و آخرت اور وحی و رسالت پر ایمان و یقین کے آثار کا کوسوں پتہ نہیں لیکن تلقین ہو

رہی ہے نماز اور روزے کی اور فرمائش و فہمائش ہو رہی ہے شعائرِ دینی کے احترام کے بارے میں، نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے کہ نوجوان اگر نسبتاً شریف اور سعادت مند ہے تو نگاہیں نیچی کرے اور آپ کی موجودگی میں احتراماً آپ کی خواہش بھی پوری کر دے لیکن اگر ذرا بیباک اور جری ہو تو صاف کہہ دے کہ "چھوڑیئے ابّا جان! یہ سب ڈھکوسلے ہیں، جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے!"

اجتماعی انقلاب اس معاملے میں انسانی معاشرہ یا انسانی ہیئتِ اجتماعیہ بھی بالکل ایک فردِ واحد کے مانند BEHAVE کرتا ہے۔ ہر معاشرے میں قوم کا ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جسے بالعموم ذہین اقلیت ـــــ یعنی INTELLECTUAL ـــــ یا MINORITY ـــــ یا INTELLICENTSIA ـــــ یا BRAIN TRUST قرار دیا جاتا ہے اور جس کی حیثیت جسدِ اجتماعی میں بالکل وہی ہوتی ہے جو فردِ واحد کے جسم میں اس کے دماغ کی۔ اگر کسی معاشرے میں اسلامی انقلاب لانا مطلوب ہو تو اوّلاً اس کے اس طبقے کو APPEAL کرنا ـــ اور اُس کے قلوب و اذہان کو نورِ ایمانی سے منوّر کرنا، گویا اسے اسلام کے حق میں بالفعل CONVERT کرنا ناگزیر ہے۔ معاشرے یا قوم کے دوسرے طبقات کی حیثیت اعضاء و جوارح کی ہے جو قلب و ذہن کے بے دام غلام ہوتے ہیں اور ان سے صادر ہونے والے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرتے ہیں۔ جو لوگ کسی معاشرے یا قوم کے اجتماعی فکر کی تطہیر اور اس کی سوچ کے دھارے کا رُخ تبدیل کیے بغیر خواہش مند ہوں کہ معاشرہ بحیثیتِ مجموعی اسلام کو عملاً قبول کرے، اُن کا خلوص و اخلاص اپنی جگہ، اور نیک خواہشات اور تمنائیں اپنے مقام پر، لیکن امرِ واقعہ کے اعتبار سے اُن کی حالت بھی ان نیک مگر سادہ دل لوگوں سے کسی طرح مختلف نہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ـــــ

یہ مقالہ ۱۲- ربیع الاوّل ۱۳۹۷ھ کو لاہور کی ایک ماہانہ ادبی و ثقافتی تقریب میں پڑھا گیا، اور ایک صاحبِ خیر کے تعاون سے باہتمام مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور، مکتبہ جدید پریس، شارع فاطمہ جناح سے طبع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

سیّد محمد صمیم پاشا (کراچی)

دینی جدّوجہد اور اُس کا طریق کار

اسلامی تحریک کے لیے سب سے قیمتی متاع اُس کا نصب العین ہی ہے اور تحریک کی اثر انگیزی اور کامیابی کا دار و مدار اس پر موقوف ہے کہ مؤیدینِ تحریک کو نصبُ العین کا فہم و ادراک حاصل ہو۔ یہی وہ خاص صفت ہے جو اُن میں حصولِ مقصد کی لگن پیدا کرتی اور اُنہیں اُس کے تقاضوں کا احساس دلاتی ہے۔ اِس کے برعکس اگر وہ نصبُ العین سے تغافل برتنے لگیں تو اُن میں فکر و عمل کے عجیب عجیب تضادات راہ پا لیتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مہلک، کارکنان میں جماعتی کامیابی کی دُھن کا پیدا ہو جانا ہے۔ عام طور پر ایک اسلامی تحریک اپنے ابتدائی دَور میں بڑی حق پسند اور اُصولوں کی پاسدار ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ اُن لوگوں کو لے کر چلتی ہے جو مقصد اور اُصولوں کو اوّلیّت دیتے ہوئے اُن کے مطابق توسیعِ دعوت کی صلاحیّت بھی رکھتے ہوں۔ اِس مرحلہ پر اُس کی لیڈر شپ کارکنان کی ذہنی تطہیر اور جذبات کا رخ نظم و ضبط اور ثابت قدمی کی طرف پھیرنے کی خواہاں اور اُن کے جوشیلے مزاجوں میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔ لیکن میدانِ عمل میں جدّ و جہد کرتے ہوئے جب اُسے ایک عرصہ ہو جاتا ہے اور اُسے اپنے مطلوبہ انقلاب کی منزل دُور نظر آتی ہے تو فطری طور پر اُس کے کارکنوں بے چین ہونے لگتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے گرد و پیش کچھ اور جماعتیں اپنی بے اُصولیوں، شاطرانہ چالوں اور بے جا پروپیگنڈے کے باوجود مختصر عرصہ ہی میں مقبولیّت پا رہی ہیں تو پھر اُن کی اُصول پسندی کا قلعہ بھی ڈگمگانے لگتا ہے اور وہ بھی کچھ انہی کے سے رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اُنہیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ مقصد کی کامیابی کے لیے جماعت کا دُنیوی غلبہ بھی ازبس ضروری ہے۔ اس کیفیّت کے پیدا ہوتے ہی کبھی تو اُن کی کاوشوں کا نکتۂ ارتکاز اپنی تحریک کی شہرت بن جاتا ہے اور اُن کا بیشتر وقت اپنے گروہ کی پبلسٹی کرنے، لوگوں پر اپنی تنظیم کی ہیبت بٹھانے اور جلسوں، جلوسوں کے ذریعہ

افرادی قوت کے مظاہروں پر صرف ہونے لگتا ہے اور کبھی تو وہ خفیہ اور مسلح انقلاب کی ترکیبیں سوچنے لگتے ہیں۔ جس کے بعد اُن کی توجہ ورزش، جسمانی تربیت اور فوجی یا گوریلا ٹریننگ کی جانب مبذول ہونے لگتی ہے۔ ایک وقت ہوتا ہے کہ تحریک کا داعی خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے ایک نہایت خشک دعوت اور نہایت بے مزہ طریق کار کو لوگوں کے لیے دلچسپ اور قابلِ قبول بنا دیا۔ وہ برملا اِس بات کا اظہار کرتا ہے کہ جو طریق کار اُس کی تحریک نے اختیار کیا ہوا ہے اُس کے اندر ان چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں جو دُنیا کی دعوتوں کو پھیلانے میں اور خلق کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں استعمال کی جاتی ہیں۔ نہ جلسے جلوس، نہ نعرے، نہ جھنڈے، نہ مظاہرے نہ نمائشیں ـــــ لیکن بعد میں وہ دَور بھی آتا ہے کہ لوگوں کو خشکی و بے لذتی کا گلہ نہیں رہتا۔ دُنیا کی رنگینی دھیرے دھیرے تحریک کو بھی رنگین بناتی چلی جاتی ہے۔ کارکنان آزاد ہوتے ہیں کہ الفاظ بدل کر اُسی لہجہ میں نعرے لگالیں جو عام پارٹیوں میں رائج ہے۔ اکثر تو الفاظ بدلنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی جاتی۔ تنقید کرتے وقت خیر خواہی کے سنجیدہ جذبہ سے سرشار ہونا پرانی بات ہوجاتی ہے اور اب دوسروں پر فقرے چست کرکے اور اُن کا مضحکہ اُڑا کر لذت حاصل کی جاتی ہے۔ ایک زمانہ میں کارکنان اپنی ذات پر لگائے جانے والے بے سروپا الزامات سُن کر بھی صبر و تحمل اختیار کرتے تھے۔ لیکن پھر ایسی کایا پلٹ ہوتی ہے کہ مخالفین جماعت پر رکیک حملے کرنا کارکنان کو ناگزیر معلوم دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی ایسے مقررین کی مانگ ہونے لگتی ہے جو اپنے مقابل کی اچھی طرح دھجیاں بکھیر سکتا ہو۔ اُس کی ذات بلکہ اُس کے خاندان تک کا پوسٹ مارٹم کرنے کا ہنر جانتا ہو۔

اس مرحلہ پر تحریک کی قیادت عملاً ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو سیرت و کردار کے لحاظ سے تو بہت پیچھے لیکن انقلاب کا نعرہ لگانے میں بہت آگے ہوتا ہے جو کہ ذمہ داریوں کا بار سنبھالنے میں تو ناکام لیکن خطابت کی سحر انگیزیوں سے لوگوں کی بھیڑ تو اکٹھی کر ہی لیتا ہے۔ جلسوں میں بڑے بڑے اجتماعات اور جلوسوں کے طول طویل ریلے دیکھ کر کارکنان کا سوادِ اعظم لاشعوری طور پر اُسی گروہ کو ہراول دستہ سمجھ بیٹھتا ہے ـــــ یوں وہ تحریک اپنی حقیقی پوزیشن کھو کر اپنے جلو میں عوام الناس کی قابلِ لحاظ تعداد رکھنے کے باوجود منزلِ مقصود کی جانب ایک انچ بھی نہیں بڑھنے پاتی اور بالآخر اُسی بہاؤ میں اپنے نصب العین سے بہت دُور جا نکلتی ہے۔

لیکن گروہی اغراض و مفادات سے بلند ہو کر رضائے الٰہی کے اعلیٰ و ارفع نصب العین کی جانب بڑھنے والی تحریکوں کے لیے طویل اور مسلسل جدّوجہد ضروری ہوا کرتی ہے۔ ایسی تحریکوں کے لیے اپنے مقصد سے گہرا لگاؤ اور اپنے نصب العین کے ساتھ کامل اخلاص ہی زادِ راہ بنتا ہے۔ آزمائش کے شدید ترین مراحل میں اور مصائب کی دشوار ترین گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے بھی یہ تحریکیں اپنی منزل کو اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ خوف یا لالچ سے مرعوب ہو کر اپنے نصب العین سے اغماض برتنا اُن کے نزدیک ہلاکت ہے اور اُصولوں سے انحراف نہ کرتے ہوئے بڑی سے بڑی قربانی دے جانا اُن کے لیے عین سعادت۔

اسلامی تحریک کا اپنا ایک خاص مزاج ہے۔ اِس کا نصب العین استوار اور اصول بے لاگ ہیں۔ وہ زمانے کے دھارے پر بہنے کے لیے نہیں، خدا کی مرضی کو لوگوں سے منوانے کیلئے اٹھتی ہے۔ اُسے وہی کارکن مطلوب ہیں جو دوسروں کی چالوں پر ریجھ کر اپنی چال ہی بھلا دینے والے نہ ہوں بلکہ اپنے موقف پر قائم رہنا جانتے ہوں :۔ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ (اور اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین پر بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں)۔

داعیانِ اسلام کی سیرتیں گواہ ہیں کہ اُن میں سے کسی نے بھی حق کی راہ میں مداہنت سے کام نہیں لیا اور نہ دنیوی طور و طریق پر پسیج کر کفر کے ساتھ مصالحانہ روش ہی اختیار کی۔ دنیا نے اپنا سارا زور لگایا لیکن توفیقِ الٰہی سے ان کے موقف میں لچک نہ آئی۔ دعوتِ حق کی کامیابی کے لیے ایک نہیں کئی کئی طریقے اختیار کیے گئے۔ شفقت و محبت سے راغب کرنے کی کوشش کی گئی۔ دلائلِ عقلیہ و براہینِ وحیانیات سے سمجھایا بھی گیا، تنبیہ و انذار سے چونکایا بھی گیا، اور خدا کی مغضوب و معذّب قوموں کے انجام سے عبرت بھی دلائی گئی، لیکن ان کا رویّہ ہمیشہ ہر حال میں کفر کے ساتھ مصالحت کے ہر شائبہ سے پاک رہا۔

جوڑ توڑ، سازشیں اور خفیہ کارروائیاں بھی دینی جدّوجہد کا معروف طریقہ نہیں ہیں بلکہ اسلامی تحریک کے مزاج سے متصادم اور اُسوۂ انبیاءؑ کے عین مخالف ہیں۔ حق کی دعوت ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ساز باز کرتے رہنے سے نہیں عوام الناس سے ربط و تعلق پیدا کر کے تذکیر و تلقین کے ذریعے ہوا کرتی ہے۔ اسلام لٹیروں کا منصوبہ نہیں اور نہ کوئی غیر فطری پروگرام

ہے۔ بلکہ انسان کی فطرت کے عین مطابق اور اُس کی فلاح کا ضامن ہے۔ اس کی کامیابی کے لیے رات کے اندھیروں میں سازش کرنے کی نہیں لوگوں کے ضمیر بیدار کرنے اور انہیں فلاح کی طرف بلانے کی ضرورت ہے۔

نعرے اور مظاہروں کا شغل لوگوں کو حلیف نہیں حریف ہی بناتا ہے۔ گالی کا جواب مکّے سے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دے کر لوگوں کے قلوب نہیں پھیرے جا سکتے۔ حکمت و موعظت اور حُسنِ سلوک کے دل موہ لینے والے طریقوں کو بالائے طاق رکھ کر بحث و تکرار سے دوسروں کو مخالف بنا لینے اور جسمانی تربیت کے کلب کھول کر "الجہاد" ۔ "الجہاد" کے نعرے لگا لینے سے دین کی اقامت نہیں ہوا کرتی ہے۔

کثرتِ تعداد پر اترانا خدا کو بالکل پسند نہیں ہے۔ غلبہ پا کر اپنا توازن کھو دینا اور عوام کی کثرت کو اپنے ساتھ دیکھ کر نہال نہال ہو جانا اسلامی تحریک کے کارکنان کو زیب نہیں دیتا۔ لوگوں کی بھیڑ کا تحریک میں شامل ہو جانا محض خوش آئند ہی نہیں، کچھ خطرے اور اندیشے بھی ساتھ لاتا ہے۔ نظم و ضبط درہم برہم ہو جانے کے خطرے، تربیتی نظام بگڑ جانے کے اندیشے اس لیے ایسے موقعوں پر پہلے سے بھی زیادہ سنجیدگی اور مستعدی کے ساتھ اپنے مقاصد اور اُصولوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کو ترک کر کے کسی شارٹ کٹ کو اختیار کر کے اسلامی انقلاب لانے کا تصوّر محض خام خیالی ہے۔ آج بھی یا آئندہ بھی جو لوگ اسلام کے معروف طریقِ کار کے علی الرّغم اپنی مرضی سے کام کرنے پر بضد ہوں، وہ شوق سے اپنی مرضی پوری کریں۔ لیکن اپنے ذہن سے یہ غلط فہمی دُور کر لیں کہ اس طرح وہ دین کی کچھ خدمت کر سکیں گے۔ یہ فرض وہی لوگ ادا کر سکتے ہیں جو حق کی راہ میں ہر طرح کی تکلیف گوارا کر کے آزمائشوں سے کامیاب گزر جائیں۔ مخالفت و مزاحمت کی تند و تیز آندھیوں کے باوجود گھبراہٹ اور انتشار کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے صبر و استقلال کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمّت رکھتے ہوں۔ جنھیں مخالفتوں کی دُشنام طرازیاں شکستہ قلبی اور طنز و استہزاء کے تیر دل برداشتہ نہ کر سکیں۔ جن میں حُصولِ مقصد کی خاطر مصائب و آلام کے خارزاروں سے گزر جانے کا حوصلہ بھی ہو۔ جن کی توجہ بلند بانگ اور جوشیلی تقریروں کے ذریعہ لوگوں کا مجمع لگانے کے بجائے اپنی سیرت سازی اور انسانوں کے رُخ کو بندگیٔ ربّ کی طرف پھیر دینے پر ہو

——— اور اس طویل و ہمہ گیر جدّوجہد کے دوران دنیا کی کامیابی و ناکامی سے بے نیاز ہو کر اپنی ساری تگ و دو کا منتہائے مقصود اللہ ربّ العالمین کی خوشنودی کو ٹھہرائیں۔

دینی جدّوجہد کے دوران کارکنان کو جماعتی کامیابی کی دُھن سے بچانے کے لیے اُن کے اذہان میں کامیابی و ناکامی کے صحیح تصوّر کو راسخ کر دینے کی شدید ضرورت ہے۔

یہ ایک واضح سی بات ہے کہ مقصد کو پا لینا اور منزل کو جا لینا کامیابی کی علامت ہوتا ہے، اور اس کے برعکس مقصد کو اوجھل کر دینا اور منزل سے دور ہو جانا ناکامی پر دلالت کرتا ہے۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مقاصد اور نصب العین کی مختلف نوعیتوں ہی کی رعایت سے کامیابی و ناکامی کے تصوّرات کا تعیّن بھی ہوتا ہے۔ مقصد سطحی ہو تو دُنیا ہی دار الجزاء ہے اور دُنیوی متاع کو حاصل کر لینا ہی کامرانی ہے۔ برعکس اس کے نصب العین اگر زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہو تو اس دنیا کی حیثیت محض ایک امتحان گاہ کی رہ جاتی ہے ——— اور اس راہ میں جان و مال کی قربانی دینا ہی عین مطلوب ہوتا ہے۔ خواہشات اور تمنائیں اگر پست ہوں تو نفع اور نقصان کے پیمانے بھی حقیر ہوں گے۔ برخلاف اس کے اغراض و مقاصد جس قدر بلند ہوں گے فلاح و خسران کے تصوّرات بھی اُسی قدر ارفع ہوں گے۔ یہ سوال ہی سرے سے غلط ہے کہ اگر تم حق کے داعی ہو تو دُنیا تمہارے قبضہ میں کیوں نہ آئی؟ خام خیالی ہو گی اگر دُنیوی منفعت کی میزان میں حق و ناحق کو تولنے کی کوشش کی گئی۔ ہاں مطلوب اپنا ہی غلبہ ہو تو مقابل کو چت کر دینا ہی کامیابی سمجھا جائے گا۔ لیکن مقصود حق کا غلبہ ہو تو تختۂ دار کو بڑھ کر چوم لینا بھی سعادت ٹھہرے گا، شہرت کا حصول ہی مرکزِ خیال بن جائے، تو دروغ گوئی کے لبادے کو اوڑھ لینے میں بھی کوئی باک نہیں لیکن مقصود اگر سچائی کا فروغ ہے تو زہر کا پیالہ پی جانے میں بھی کوئی کراہت نہیں۔

فلاح و خسران کے اپنے اپنے تصوّرات ہیں۔ گروہ، قبیلہ، علاقہ، وطن اور قوم کی بنیادوں پر سوچنے والوں کے نزدیک نفع و نقصان کے پیمانے اور کامیابی و ناکامی کے معیارات بڑے پست ہوتے ہیں۔ اُن کی منفعت یہ ہے کہ معاشی و سیاسی قوّت میں اضافہ کر لیا جائے۔ اُن کے نزدیک فتح نام ہے دوسروں کو محکوم بنا لینے کا۔ وہ کامیابی اِس کو سمجھتے ہیں کہ مسابقت کی دوڑ میں اوروں سے آگے نکل جائیں۔ لوٹ کھسوٹ، چالبازی، مکر و فریب کے تانے بانے یہاں عین اخلاق ہیں۔ مُسلّمہ قدروں اور حقیقتوں سے منحرف ہو جانا اُن کے لیے کوئی بُرائی نہیں۔

اصول اور ضابطے راہ میں حائل ہوں تو یہ انہیں بے دریغ پامال کر دینے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

لیکن وہ افراد یا وہ جماعتیں جو نفسانیت اور گروہ بندی کے تصوّر سے خالی ہو کر رضائے الٰہی کو اپنا نصب العین کہیں، خدا کے منشاء کو جو اپنی مرضی بنالیں۔ حق پرستی جن کا شعار ہو، وحیِ الٰہی جن کا معیار ہو، اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے میں جو اپنی سلامتی سمجھیں، جن کے پیشِ نظر نوعِ انسانی کی بھلائی ہو، جنہیں دلوں سے حسد و کینہ نکال کر اُن میں اخوّت و محبّت کی چاشنی پیدا کرنی مقصود ہو، جو نسلِ انسانی کے بکھرے ہوئے دانوں کو ایک ہی تسبیح میں پرو دینے کے خواہاں ہوں، اُن کے نزدیک کامیابی و ناکامی کا تصوّر بالکل ہی جُدا ہوتا ہے۔ یہاں سُود و زیاں کے کچھ دوسرے پیمانے ہوں گے۔ مضرّت و منفعت کی پرکھ کے لیے بھی کوئی اور ہی کسوٹی ملے گی۔

یہ خیال بنیادی طور پر نادرست ہے کہ زمامِ کار کا صالحین کے ہاتھوں میں آجانا ہی کامیابی ہے۔ جدّ و جہدِ حق کے لیے ہے تو دنیا کامیابی و ناکامی کا پیمانہ نہیں بنتی۔ نادانی ہوگی اگر کوئی تگ و دَو تو ایسے نصب العین کے لیے کرے جو لازوال ہو اور اُس کا صلہ پانے کی توقع اِس دُنیا سے رکھے جو فانی ہے۔ حضرتِ نوح علیہ السّلام سے لے کر محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک انبیائے کرام علیہم السّلام کی پوری تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ انسانیت کے ان محسنوں کی قیادت میں برپا ہونے والی تحریکوں نے شاذ ہی دُنیوی غلبہ حاصل کیا۔ کلام اللہ ایک جانب تو یہ بتاتا ہے کہ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا "۔ ہم نے ہر اُمّت میں ایک رسول بھیجا ہے" وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ "(اے محمّد! صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہم آپؐ سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں"۔ لیکن دوسری طرف یہی قرآن بار بار دُہرا دُہرا کر انسانوں کی بدقسمتی کا تذکرہ یوں کرتا ہے:۔ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ :" افسوس بندوں کے حال پر، جو رسول بھی اُن کے پاس آیا اُس کا وہ مذاق اُڑاتے رہے"

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ ط : "آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے"۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ط :۔ "آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں"

خدائے علیم و حکیم کی دعوت میں نہ لچک تھی، نہ لوچ تھا نہ ابہام۔ انبیائے کرام علیہم السّلام نے بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں نعوذ باللہ کبھی کسی مداہنت یا تساہل سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے تو اس راہ میں اپنی جان کھپا دی تھی۔ قربانی کا وقت آیا تو جان و مال کے نذرانے

پیش کیے، جگر گوشوں سے قطعِ تعلق کی نوبت آئی تو بسر و چشم اُس کو گوارا کر لیا۔ ترکِ وطن کا حکم ملا تو بلا حیل و حجت بے سروسامانی کے عالم ہی میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔

اِس جدّ و جہد کی طوالت کا اندازہ لگانا ہمارے لیے مشکل ہے۔ بعض انبیاء کی عمریں تو صدیوں پر محیط تھیں، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کبھی تو اتنی رہی کہ انگلیوں پر گن لی جائے تو کبھی اتنی کہ نبی کے تمام ہی پیرو ایک ہی کشتی میں سما جائیں؟ حد تو یہ ہے کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ قیامت میں ہر نبی اپنی اُمّت کے ساتھ اٹھے گا اور بعض نبیوں کی اُمّت میں صرف ایک ہی پیرو ہوگا!

غور و فکر کے دائرے کو ذرا اور وسعت دیجیے۔ قرآن حکیم میں ایسے کتنے انبیاءؑ کا ذکر ہے جو اللہ کے قانون کو اللہ ہی کی زمین پر غالب کرنے کے لیے مقامِ اقتدار تک پہنچ سکے؟ انگلیوں پر گننے کی ضرورت بھی تو نہیں۔ حضرتِ داؤدؑ، حضرتِ سلیمانؑ اور سیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے علاوہ بھی کوئی اور؟

ان نفوسِ قدسی میں حضرتِ داؤد علیہ السّلام کو ایسے ماحول میں بادشاہت حاصل ہوئی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی دعوت و تبلیغ کا تسلسل قائم تھا۔ بنی اسرائیل میں پے در پے انبیاء مبعوث ہو رہے تھے۔ حضرت سلیمانؑ ان ہی حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے تھے اور ان کو بادشاہت وراثتاً ملی تھی ــــ پوری تاریخِ انسانی میں صرف سیّدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی شان کے حامل نظر آتے ہیں۔

مگر دوسری طرف اُن کا کوئی شمار بھی ہے جن پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے، جنھیں سنگسار کر دیا گیا، جن کے سر قلم کر دیئے گئے، جن کے مبارک جسموں کو لوہے کے کنگھوں سے اُدھیڑا گیا، جنھیں اپنے وطن تک کو خیرباد کہنا پڑا؟ اور کیا یہ بھی حقیقت نہیں ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے انہی مقدّس ہستیوں کے بارے میں فرمایا کہ ــــ "یہی ہیں محسنین" ــــ "یہی ہیں فلاح پانے والے" ــــ "یہی کامیاب ہوئے" ــــ !!

لاریب حقیقی فلاح و کامرانی داعیانِ حق کے لیے ہی مقدّر ہے لیکن اس کی صورتیں کئی ہیں ــــ اِس کی ایک شکل تو یہ ہے کہ دنیا اگر آج کسی منادی کرنے والے کی تشنیع پر ناک بھوں چڑھاتی ہے تو کل ٹھوکر کھا کے جب سنبھلتی ہے تو اسی کو اپنا ہمدرد اور محسن بھی کہتی ہے۔ تاریخ کی گواہی کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور نمرود کے معرکہ کا نتیجہ بظاہر تو یہ نکلا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا اور نمرود کی فریب خوردہ آمریت کے پھریرے پھر بھی لہراتے رہے۔ لیکن بعد میں دنیا ہی نے کہا کہ حضرت ابراہیمؑ فلاح پا گئے اور نمرود خسارہ میں رہا۔ حضرت یحییٰؑ نے ساری زندگی شرم و حیا کی تعلیم و تلقین کی، کسی نے مان کر نہ دیا۔ رقاصہ کی فرمائش پر آپ کا سر بھی قلم کر دیا گیا۔ مگر دھرتی نے یحییٰ علیہ السّلام ہی کو مُصلح سمجھا اور رقاصہ اور اس کے ہم نشین ملعون ٹھہرائے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کی غم گساری ہی کی تھی مگر ظالم اپنے ہی زعم میں آپؑ کو سُولی چڑھانے پر اُتر آئے لیکن جب وقت کے دھارے نے رُخ پلٹا تو ساری دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے گن گانے لگی۔ اور آثار و شواہد اس بات پر بھی گواہ ہیں کہ خدا کے منکروں نے اپنی زندگیوں میں کتنے ہی شیش محل کیوں نہ تعمیر کر لیے ہوں اور طاقت کے نشہ میں چُور ہو کر اپنی ہی خدائی کے دعوے کیوں نہ کر بیٹھے ہوں لیکن آخر کار انجام اُن کا بُرا ہی ہوا۔ آج وہی سب کے لیے باعثِ عبرت ہیں۔ اذلّہ کی مثال دینی ہو تو دُنیا انہی کا نام پیش کرتی ہے۔

غلبۂ حق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین نے جس بات کا پیغام انسانیت کو دیا وہی دُنیا کے نزدیک حق قرار پا گیا۔ جو سیرتیں پیش کیں قیامت تک کے لیے وہی پاکیزہ نمونہ بن گئیں۔ جس کسوٹی سے آج بھی نیکی اور بدی میں تمیز کی جا رہی ہے وہ انہی اللہ والوں کی تعلیم کا دوسرا نام ہے۔

فتح و نصرت ایسے بھی عطا کی جاتی ہے کہ تحریکِ اسلامی دُنیا کی اِس عارضی زندگی میں بھی غلبہ حاصل کر لیتی ہے اور نظامِ اسلامی عملاً قائم ہو جاتا ہے :۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ	اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں، جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں۔ اُن سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، اُنہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ وہ (باطل) کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ اُن کی دُعا بس یہ تھی کہ

الْكٰفِرِيْنَ ○ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○

"اے ہمارے ربّ! ہماری غلطیوں سے درگزر فرما۔ ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہوگیا ہو اُسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔" آخر کار اللہ نے اُن کو دُنیا کا ثواب بھی عطا کیا اور اِس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی۔ اللہ کو ایسے ہی نیکوکار پسند ہیں (آلِ عمران)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ (النّور)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنھوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

البتہ یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ اس کامیابی کے حصول کو ماہ و سال کی قید سے پابند نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بہت ممکن ہے دُنیا کی مسرّتوں اور لذّتوں سے خدا کے باغی ہی لطف اندوز ہوتے رہیں اور خدا کے صالح بندے دنیوی لحاظ سے تکالیف اور مشکلات ہی میں گھرے رہیں۔ لیکن رضائے الٰہی کے خواہش مندوں کے لیے یہ کوئی عجوبہ کی بات نہیں۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ: "زمین پر خدا کے نافرمان بندوں کی چلت پھرت سے دھوکا نہ کھائیے"۔ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ؕ: "کافروں کے لیے تو دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنادی گئی ہے"۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ: "لوگوں کی غلط فہمی کا تو یہ حال ہے کہ وہ مرغوباتِ نفس عورتوں بچوں اور سونے چاندی کے ڈھیروں، مویشیوں اور کھیتوں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ (لیکن پرہیزگاروں کے لیے یہ کوئی رنج و ملال کا موقع نہیں) وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ: یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں، جنھیں لوگوں کے درمیان گردش میں رکھا گیا ہے" ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: "یہ سب دُنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں"۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ؕ: "اور دُنیا کا سروسامان محض ایک دھوکا ہے"۔ متقیوں کے لیے کامیابی و کامرانی کا ایک مقام اور بھی ہے: وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ

لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۝ :" ایسے خدا ترسوں کے لیے تو ابدی زندگی میں بھلائیاں ہی بھلائیاں ہوں گی" هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ :" احسان کا بدلہ بھی احسان کے سوا کچھ ہو سکتا ہے؟" انصاف کا بھی تقاضا ہے کہ لازوال کام کے لیے محنت کرنے والوں کو صلہ بھی لازوال ہی عطا ہو۔ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝ :" ایسے لوگوں کے لیے تو اُن کے ربّ کے پاس دائمی قیام کی جنّتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"

اور پھر سب سے بڑھ کر مومنوں کے اطمینان کے لیے تو یہی اطلاع کافی و شافی ہے کہ وہ جس راہ پر گامزن ہیں وہی حق کا راستہ ہے۔ اللہ نے انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ یہی کیا کم مسرّت کا مقام ہے کہ اگر وہ خدا سے راضی ہو گئے ہیں تو خدا خود بھی اُن سے راضی ہو گیا ہے۔ سچّی فلاح اور کس شے کا نام ہے!

اِسلامی تحریکوں کے غیر مؤثر ہو جانے کا دوسرا سبب کارکنان کے قول و فعل کا تضاد ہے۔ کوئی تحریک مائل بہ عروج رہتی ہے اگر اُس کے چلانے والوں کی سیرتیں اپنے نصب العین اور پروگرام کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں اور وہ اخلاق و کردار کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوں لیکن جیسے جیسے اُن کے قول و عمل کی یک رنگی ماند پڑتی جاتی ہے اور اُن کے کردار کی پختگی کمزور ہونے لگتی ہے، ویسے ویسے وہ تحریک بھی مائل بہ زوال ہوتی چلی جاتی ہے۔ لوگوں میں جب تک حصولِ مقصد کی لگن موجود رہتی ہے وہ ہمّت و مردانگی کو شعار بنائے رہتے ہیں، عزیمت کی مثالوں کو تلاش کر کے انہیں اپنے لیے نمونۂ عمل بناتے ہیں اور جب وہ جمود کا شکار ہوتے ہیں تو عذرات اور بہانے تراش کر گوشۂ عافیت میں جا بیٹھتے ہیں۔ رخصت اور رعایتوں کو طلب کر کے عمل سے گریز کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ کارکنان اگر خوش حال اور پُرامن مستقبل کی خواہش میں گرفتار ہو کر تحریکی ذمّہ داریوں سے دامن کترانے لگیں۔ اُن کے قلوب و اذہان پر نصب العین کے تقاضوں سے بڑھ کر معاش اور اہل و عیال کی فکر غالب آجائے اور وہ مکانوں کی زیب و آرائش، لباس کی تراش و خراش اور کام و دہن کی لذّتوں میں کھو کر داعیانہ فرائض سے تغافل برتنے لگیں تو پھر زوال کی آمد کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے!!

خدا اور اُس کے رسول کے نزدیک دعوت بلا عمل سخت ناپسندیدہ ہے۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "میں نے اپنی معراج کی رات دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔انہوں نے جواب دیا یہ آپ کی اُمّت کے مقرّرین ہیں جو لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔"

دراصل اسلام اِس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اُس کے ماننے والے اوروں کو توحید کا درس دیں اور اپنے ہی دامن کو طاغوتی آلائشوں سے داغدار کریں۔دوسروں کو تقویٰ اور پرہیز گاری کی تلقین کریں اور خود اپنے لیے فضیلت کا کوئی اور ہی پیمانہ منتخب کریں۔جس مذہب نے اخلاصِ عمل اور خدا خوفی کی تعلیم دی ہے وہ اپنے داعیوں میں ریاکاری اور بے راہروی کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اسلام نے جہاں کہیں بھی انسانوں سے ایمان لانے کو کہا ہے۔وہیں کسی نہ کسی پیرایے میں عملِ صالح کا مطالبہ بھی کیا ہے۔صرف "اٰمنُوا" ہی نہیں "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی تلقین بھی کی ہے — "قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ" پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ "ثُمَّ اسْتَقِمْ" کی ہدایت بھی کی ہے — "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" کہہ کر ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کی بندش بھی لگائی ہے۔یہاں محض بت خانوں ہی میں صفتِ ابراہیمی کا مظاہرہ کافی نہیں بلکہ خود اپنی خواہشات اور پسندیدگیوں پر بھی تیشہ چلانے کی ہمّت درکار ہے۔قرآن کے مطابق ایمان کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر زبانی جمع خرچ کی چنداں ضرورت نہیں۔ایسا ایمان خام اور ایسا دعویٰ بے حقیقت ہے:۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ٥ :۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے ہی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا" — اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ٥ :۔"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنّت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ اُس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اُس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں" —

ایک روایت میں آتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ سے کہا کہ میں تبلیغِ دین کرنا چاہتا ہوں۔اِس پر انہوں نے اُسے تین آیاتِ قرآنی پڑھ کر سُنائیں:۔(۱) اَتَاْمُرُوْنَ

النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ؟"۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا وعظ کہتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو" (۲) لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ "۔ تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس پر عمل نہیں کر سکتے" (۳) مَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ (جب حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا) : میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے تم کو روکتا ہوں اُن کا خود ارتکاب کروں"۔ پھر ابن عباسؓ نے اُس شخص سے پوچھا کہ ان آیتوں پر عمل کر لیا ہے ؟ اُس شخص نے جواب دیا "نہیں"۔ فرمایا :۔ جاؤ پہلے اپنے کو نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو ۔۔ یہ مُبلّغ کی پہلی منزل ہے"

نصیحت غیر مؤثر ہوگی چاہے کتنی گراں قدر ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنی پُشت پر عملی مثال نہ رکھتی ہو۔ دعویٰ کسی قدر و قیمت کا حامل نہیں ہوگا چاہے وہ کیسا ہی بُلند بانگ کیوں نہ ہو اگر اپنے ساتھ شہادت نہ لائے۔ محض علم و حکمت اور فلسفیانہ موشگافیوں ہی سے دنیا میں کوئی صالح تبدیلی نہیں آجایا کرتی بلکہ لوگ کہنے والوں کے کردار کو بھی دیکھتے ہیں۔ درسِ اخلاق اور مواعظِ حسنہ رہبانیت کے میوزیم میں تو جگہ پا سکتے ہیں لیکن انقلاب برپا نہیں کر سکتے جب تک کوئی گروہ میدانِ عمل میں اِن پر کاربند ہو کر نہ دکھلا دے۔

خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں برپا ہونے والی اسلامی تحریک جہاں، اور بہت ساری خصوصیات میں دیگر تحریکوں سے ممتاز اور نمایاں ہے وہیں اِس مقدّس تحریک کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ اِس کے کارکنوں کے قول و عمل میں کمال درجہ کی ہم آہنگی تھی۔ وہ اگر ایک جانب جذبۂ ایمانی سے سرشار تھے تو دوسری جانب اسلامی اخلاق کا حسین پیکر بھی۔ اندازِ گفتگو، نشست و برخاست، اکل و شرب، شادی بیاہ، لین دین، کاروبار، تنازعات غرض اپنی روزمرّہ زندگی کے ہر پہلو میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسلام کے اعلیٰ اصُولوں کو اس طرح سمو لیا تھا کہ وہ اسلام کا نمونہ بن گئے تھے۔ اُن کے ایک ایک عمل میں رضائے الٰہی اور خشیّتِ الٰہی کی جھلک صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ وہ درحقیقت اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے لوگ تھے۔ غیر مُسلم ایک ہی نظر میں اپنے اور اس تحریک کے کارکنوں کے کردار کا فرق محسوس کر لیتے تھے۔ شدید بُغض و عناد کے باوجود اُن کا ضمیر حضورؐ اور آپ کے اصحابؓ کی دیانتداری اور اخلاقی پاکیزگی کے خلاف زبان کھولنے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اُنہوں نے طرح طرح کے حربے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے استعمال کئے۔ لیکن اِن نفوسِ قدسیہ

کا کردار ایک ایسا چیلنج تھا جس کا لوران کے بس سے باہر تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی سیرتوں کو نکھارنے پر خاص توجہ فرمائی تھی۔ آپؐ اُن کی زندگیوں میں کسی ایسے شائبہ کا ہونا بھی گوارا نہ فرماتے تھے جو غیر معیاری ہو۔ یہ آپؐ ہی کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنے اعمال کے بارے میں اِس درجہ حساس ہو گئے تھے کہ اگر انہیں اپنا کوئی فعل اسلام کے اعلیٰ معیار پر پُورا اترتا نظر نہ آتا تو فوراً گھبرا اُٹھتے تھے۔ کہ شاید وہ منافق ہو گئے۔ تاریخ میں کسی ایسے گروہ کی مثال نہیں مل سکتی کہ جس کے افراد نے بعونہٖ تعالیٰ اس قدر باریک بینی سے کام لیتے ہوئے اپنی کمزوریوں پر قابو پایا ہو۔ اور اپنے عمل کو اپنے قول سے ہم آہنگ کر کے دکھلایا ہو — رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

یہ تابناک سیرتیں ہر دَور میں اسلامی تحریک کی رہنمائی کریں گی۔ رضائے الٰہی کے طلبگاروں کو ان کی پیروی کرنی ہی ہو گی۔ اس کے برعکس نہ تو اپنی کم مائیگی کا عذر تراش کر اسلاف کی پیروی سے دامن بچانا ہی کسی طور پر قابلِ ستائش ہے اور نہ اِن مقدّس ہستیوں ہی کی زندگیوں سے بشری لغزشوں کی مثالیں ڈھونڈ، ڈھونڈ کر لانا اور اُن کی آڑ میں اپنی بدعملی کو چھپانا ہی کسی طرح لائقِ تحسین ہے۔ منزلِ بلند کی جستجو ہے تو اعلیٰ مثالوں ہی کو مشعلِ راہ بنانا ہو گا۔

تیسرا فتنہ اپنی غلطیوں کی ترویج کرنے کا ہے جو کارکنان میں انفرادی طور پر بھی اور جماعتی سطح پر بھی پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اس کی وضاحت سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہر دَور کی اسلامی تحریک اُصُول پسندی، بے لچک موقف، غیر متعصّبانہ پالیسیوں، اور بلند پایہ اخلاقی معیار کے ساتھ اپنے نصب العین کے لیے مثالی تگ و دَو کرتے ہوئے اپنے دَور میں حق و صداقت کا پیمانہ بن جایا کرتی ہے۔ لوگ ظاہری طور پر چاہے ہزار مخالفت کریں لیکن اندرونی طور پر اُسی کے فیصلوں اور اقدامات کو معیار بنائے رہتے ہیں۔ زبان سے لاکھ تردید کے باوجود دل سے اُس کی سچائی کے معترف ہیں۔ اِس مرحلہ پر تحریک کا اپنے اصولی طریقِ کار سے بال برابر انحراف نقصان دہ ہوتا ہے چہ جائیکہ فاش غلطیوں کا صدور اور پھر ان کی بے جا وکالت کا ارتکاب! اپنی لغزشوں کو درست ثابت کرنے کا یہ خطرناک مرض بھی اسلامی تحریکوں کے لیے سخت جان لیوا ہے۔ یہ مرض ایک ایسی دھیمی رفتار سے سرایت کرتا ہے کہ بہت دیر تک اس کی مضرتوں کا احساس بھی نہیں ہو پاتا، بلکہ اس کے جراثیم جن خیالات و تصوّرات

کے خول چڑھائے ہوتے ہیں وہ بعض اوقات اِس قدر خوش رنگ اور جاذب نظر ہوتے ہیں کہ کارکنان بڑی نیک نیتی اور پورے خلوص کے ساتھ انہیں صحت افزا کیپسول سمجھتے ہوئے حلق سے اتارتے چلے جاتے ہیں۔

ابتداءً کارکنان کے ذہن میں یہ تصوّر جنم لیتا ہے کہ جماعت کے نصب العین ، اور پروگرام کی صحیح نمائندگی تو بس وہی کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اِس خیال کو لے کر ایک عرصہ تک کام کرنے کے بعد رفتہ رفتہ وہ اپنی جماعت کو بھی اُسی پیمانہ پر برحق سمجھنے لگتے ہیں جس پیمانے پر وہ مقصد تحریک کو برحق جانتے ہیں ـــ اور جس طرح انہیں وہ مقصد کسی بھی نقص اور تقصیر سے پاک معلوم ہوتا ہے اسی طرح وہ جماعت کے طریقِ کار کو بھی ہر خطا اور خامی سے مبرّا خیال کر لیتے ہیں۔ اِس تصوّر کا ظاہری فائدہ انہیں یہ پہنچتا ہے کہ اُن میں باہمی تعاون بڑھتا ہے اور گروہی الفت کے جذبات کو ہوا ملتی ہے۔ نتیجۃً وہ جماعتی عصبیت کے نشہ میں ایسے سرشار ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی معمولی لغزشوں کی پروا نہیں رہتی بلکہ کسی نہ کسی طرح اپنی روش کو درست ثابت کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ "جماعتی دفاع" کی یہ خوش فہمی انہیں اِس قدر مگن رکھتی ہے کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ اُنہیں حق بات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اصولی غلطیوں اور طریقِ کار کی واضح خامیوں پر بھی ندامت کے بجائے کٹ حجّتی کی عادت پڑ جاتی ہے۔

بعض اوقات کارکنان کے ذہنوں پر عوام میں ہیبت اُڑنے کا موہوم خطرہ بھی بُری طرح سوار ہو جاتا ہے۔ پھر انہیں طرح طرح کے اندیشے اور عجیب عجیب وسوسے لاحق ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اعترافِ تقصیر سے کہیں جماعت کی ساکھ نہ بگڑ جائے ، کہیں اُس کی ہَوا نہ اکھڑ جائے۔ ؎ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

یہ تمام رجحانات ہمہ پہلو نقصان دہ ہیں مثلاً اس سے ایک جانب تو معاندین کو جو بے سروپا الزامات کے سہارے نفرت کا الاؤ بھڑکانے سے نہیں چوکتے اور فتنہ سازی کے لئے کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتے ہیں، ہجو کرنے کو ایک معقول عذر بھی مل جاتا ہے۔

دوسری جانب عوام النّاس جو دَورانِ کشمکش مخالفین کے پراپیگنڈے اور حامیانِ تحریک کی سعی و کاوش کے درمیان اکثر حیص بیص کے عالم میں رہتے ہیں اور اپنے شبہات کا اطمینان بخش ازالہ چاہتے ہیں ہٹ دھرمی کا یہ مظاہرہ ان میں بھی تحریکِ اسلامی سے ضد اور بیر پیدا کر دیتا ہے۔

تیسری جانب تحریکِ اسلامی کے ایسے ہمدرد جو اُس کے مزاج سے بخوبی آشنا نہیں ہوتے صحیح

بات کی وضاحت نہ کرنے سے وہ جماعت سے اپنے شدید ذہنی و قلبی لگاؤ کی بنا پر، اُس کی خامی کو بھی خوبی اور اُس کی خطا کو بھی صواب سمجھ لیتے ہیں۔ پھر اپنے طور پر کام کو آگے بڑھانے کے لیے درست و نادرست کی تمیز کے بغیر انہی غلط فیصلوں اور پالیسیوں کو نظیر بناتے ہوئے منصوبہ بندی کر لیتے ہیں

چوتھی جانب مزاج شناسانِ جماعت کے سامنے جب اُصولوں کے علی الرّغم فیصلے آتے ہیں یا وہ غیر موزوں اقدامات کو دیکھتے ہیں تو انہیں اضطراب ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں الفاظ کے پیچ و خم اور حیلہ سازیوں سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا حالانکہ یہ رویّہ اُن کی توقّعات کو اور بھی ٹھیس پہنچاتا ہے۔ بہت سارے مخلص کارکنان کے سُست پڑ جانے یا دل برداشتہ ہو کر رجعت اختیار کر لینے کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

اور پھر سب سے بڑھ کر یہ بات خدا کی ناراضی کا سبب بھی ہے۔ ناحق کو حق بتلانا اور جان بوجھ کر ایک غلط روش اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ نافرمان بندہ کی برائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن میں یہ بات بھی کہی گئی ہے :۔ " وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ " :۔ (اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اُس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے بس جہنّم ہی کافی ہے۔)

اس کے برعکس پرہیز گاروں کی ایک صفت " لتّائبون " (یعنی توبہ کرنے والے) بتلائی گئی ہے قرآن میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ :۔ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا :۔ (یعنی وہ اپنے کیے پر دیدہ دانستہ اصرار نہیں کرتے۔) بلکہ اگر کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال بھی انہیں چھو جائے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ اُن کے لیے صحیح طریقہ کار کیا ہے :۔ " اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝

قرآن مجید سے تو پتہ چلتا ہے کہ حق بات اللہ تعالیٰ کو اس قدر عزیز ہے کہ اس معاملہ میں اگر انبیائے کرام علیہم السّلام جیسی برگزیدہ ہستیوں سے بھی کوئی سہو ہو جائے تو صحیح طرزِ عمل کی نشاندہی فرماتے ہوئے ان کی بھی فہمائش کر دی گئی ہے۔ قرآن میں ایسے کئی واقعات مذکور ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محض ایک موقع پر تبلیغ دین کے اِس اُصول سے صرفِ نظر ہو گیا تھا کہ داعی کے لیے توجّہ کا اصل مستحق وہ شخص ہونا چاہیے جو خود بھی حق کا طلبگار ہو تو آپ کو اس طرح سمجھایا گیا :۔ " اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ (جو بے پروا بنتا ہے تم اُس

ہے تو پیچھے پڑتے ہو اور تمھارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ سُتھرا نہ ہو۔ اور وہ جو تمھارے حضور چل کر آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو تم اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو۔)

اِسی طرح حضرتِ یونس علیہ السّلام سے دعوتِ دین کے سلسلہ میں یہ تساہل ہوگیا کہ آپ اپنی قوم کے راہِ راست پر نہ آنے کی وجہ سے دل برداشتہ ہوکر بلا اذنِ الٰہی ہجرت کر گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بازپرس ہوئی جس پر خدا کی حمد و تسبیح کے ساتھ اُس کے حضور معافی کے طلب گار بھی ہوئے۔ یہ واقعہ سورۃ الصّٰفّٰت میں یوں آیا ہے :-

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝
إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ فَسَاهَمَ
فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ
وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ
لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝

"اور بے شک یونس (علیہ السّلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب کہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ سو (یونسؑ) شریکِ قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے۔ پھر اُن کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ سو اگر وہ اس وقت تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اُس کے پیٹ میں رہتے۔"

اعترافِ تقصیر اگر شغل نہ بن جائے بلکہ احساسِ ندامت کی گہرائیوں کے ساتھ ہو تو یہ نہ صرف ذاتی تربیت کے لیے مفید اور اللہ کے ہاں بلند درجات پا لینے کا ذریعہ ہی ہے۔ بلکہ تائیدِ خداوندی کے باعث اس دنیا میں بھی دعوتِ حق کی پذیرائی کے لیے راہیں کشادہ ہو جایا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر خود سورۃ الصّٰفّٰت ہی میں حضرت یونسؑ کے لیے آگے چل کر یہ بھی فرمایا گیا کہ اس واقعہ کے بعد انہیں ایک لاکھ یا اُس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا اور وہ ایمان لے آئے :- " وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝ فَآمَنُوا ...."

اصحابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جو انبیائے کرامؑ کے بعد اپنے بلند پایہ اخلاق و کردار کی وجہ سے مثالی نمونہ ہیں۔ لیکن اُن کی اس شان کے باوجود اگر کبھی اُن سے برسرِ عام کوئی لغزش ہو جاتی تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کی طرفداری نہ فرماتے۔ مثلاً اسلام کا ایک اُصول یہ ہے کہ داعیانِ تحریک فتح پاکر انتقام کی پیاس نہ بجھائیں بلکہ عفو و درگزر سے کام لیں۔ لیکن فتحِ مکّہ کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔ اس روز جب وہ اپنے قبیلہ کا عَلَم اٹھائے ابوسفیانؓ کے برابر سے گزرے تو بے ساختہ اُن کی زبان سے نکل گیا :- اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ ط (آج تو گھمسان کا دن ہے) رحمتِ عالمؐ کو خبر ہوئی تو فرمایا "نہیں" ——— اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ ط (آج تو رحمت کا دن ہے)

بقیہ صفحہ ۵۹ پر دیکھیں

مولانا محمد طاسین (کراچی)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اگر ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نوعِ انسان کے کامل ترین فرد تھے اور آپ کی ذاتِ اقدس کے اندر وُہ تمام فضائل و کمالات اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین شکل میں موجود تھے جو انسان کے لئے ممکن ہو سکتے ہیں تو پھر ہمارے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ صحابۂ کرام، جن کی دینی اور روحانی تعلیم و تربیت خود حضرت محمد رسول اللہ نے فرمائی اور جن کے نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ خود رسُول اللہ کی توجہ اور کوشش سے عمل میں آیا، دین و اخلاق، صلاح و تقوےٰ اور اسلامی سیرت و کردار کے لحاظ سے اُمتِ مسلمہ کے بہترین اور افضل ترین افراد تھے، کیونکہ اگر ہم یہ نہ مانیں تو تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیے کے پہلو سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصفِ کمال کا انکار ہو جاتا ہے حالانکہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو یہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا اُن مقاصد سے براہِ راست تعلق ہے جن کی خاطر آپؐ کی بعثت ہوئی، قرآن مجید میں ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۝ ترجمہ: وہ اللہ جس نے اُمیّوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا، اُن کا تزکیہ عمل میں لاتا اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض معلّم ہی نہ تھے بلکہ ایک کامل اور کامیاب معلم بھی تھے اسی طرح محض مُزکّی و مربّی ہی نہ تھے بلکہ ایک کامل اور کامیاب مزکّی و مربّی بھی تھے لہٰذا آپ کی تیئیس سالہ تعلیم و تربیت سے ہزاروں اشخاص کی اخلاقی اور فکری و عملی اصلاح ہو جانا بلکہ اصلاح کے بلند ترین مقام پر پہنچ جانا ایک بالکل فطری اور معقول بات ہے۔ بنا بریں جو یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد سوائے پانچ سات

کے باقی سب راہِ حق سے پھر گئے تھے وہ مقام محمدیت کا انکار اور تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیے کے پہلو سے شانِ محمدی کی تنقیص و توہین کرتا ہے۔

ایک مسلمان کے لئے سب سے بچی بات، قرآن حکیم کی بات ہے، صحابۂ رسول کے متعلق قرآن حکیم میں متعدد آیات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور اسلامی اخلاق و عادات کے لحاظ سے عظمت کے بلند درجے پر فائز تھے، اور یہ کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے مغفرت اور جنت کا وعدہ ہے۔ بطور مثال صرف دو آیتیں پیش کرتا ہوں: سورۃ الفتح میں ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کفار کے مقابلے میں نہایت سخت اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہایت رحمدل اور مہربان ہے تو انہیں اللہ کے سامنے رکوع اور سجدے کرتا دیکھے گا وہ ہمیشہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں اُن کے چہروں اور ماتھوں پر سجدوں کے آثار نمایاں ہیں، اُن کی یہی تصویر تورات و انجیل میں پیش کی گئی ہے۔

پھر آگے چل کر اس آیت کے آخر میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۔ اللہ کا وعدہ ہے جو اُن میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کئے انہیں وہ خاص بخشش سے نوازے گا اور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ دوسری آیت سورہ التوبۃ میں ہے وہ یہ کہ: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ ترجمہ: وہ مہاجر اور انصار صحابہ جنہوں نے ایمان و اسلام لانے میں سبقت اور پہل کی، نیز وہ لوگ جنہوں نے حسن و خوبی سے صحابہ کی پیروی کی، اللہ اُن سے راضی ہوئے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ اُن کے لئے نعمتوں کے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ عظیم کامیابی ہے

قرآن حکیم میں صحابۂ کرام کے متعلق جو آیات ہیں ان سے صحابہ اور قرآن کے موضوع پر ایک اچھا خاصا مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھی بکثرت ایسی احادیث اور روایات ہیں جن سے صحابہ کرام کی غیر معمولی عظمت و بزرگی پر روشنی پڑتی اور یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اخلاق و روحانیت نیکی و تقویٰ اور سیرت و کردار کے اعتبار سے عظیم انسان تھے، اللہ اور رسول سے انہیں شدید محبت تھی اور اپنی ہر چیز سے انہیں زیادہ عزیز رکھتے تھے، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ اُن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا بلکہ وہ سراپا اطاعت و فرمانبرداری تھے، حق کے لئے ایثار و قربانی اُن کا شیوہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسلسل جہاد اُن کا طغرائے امتیاز تھا اور ان کی تمام تر توانائیاں دین حق کے لئے وقف تھیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے صحابہ سے سچی محبت تھی یہاں تک کہ اُن کی تکلیف سے آپ کو تکلیف پہنچتی اور اُن کی راحت آپؐ کے لئے خوشی کا باعث بنتی، آپؐ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میرے صحابہ سے محبت، مجھ سے محبت اور اُن سے عداوت، مجھ سے عداوت ہے، جس نے ان کو کوئی اذیت پہنچائی اُس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی۔

قرآن و حدیث میں صحابہ کرام کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی بنا پر ہمارا اہل سنت والجماعت مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ صحابۂ کرام اُمت مسلمہ کے بہترین اور افضل ترین لوگ تھے وہ اگرچہ نبیوں کی طرح معصوم نہ تھے تو محفوظ ضرور تھے، لہٰذا ان کے متعلق کوئی ایسی بات صحیح اور قابل قبول نہیں ہو سکتی جس سے اُن کی دینی حیثیت مجروح اور داغدار ہوتی ہو خواہ وہ بات کسی مؤرخ نے لکھی اور کسی کتاب میں پائی جاتی ہو، صحابہ کرام کی حد تک صرف وہی تاریخی روایات قابل قبول ہو سکتی ہیں جو اُس تصویر سے مطابقت رکھتی ہوں جو ان کی قرآن و حدیث میں پیش کی گئی ہے۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام کی جماعت میں اپنے مجموعی فضائل و کمالات کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بہتر اور سب سے افضل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ما طلعت الشمس علی احد بعد النبیین والمرسلین افضل من ابی بکر، نبیوں اور رسولوں کے بعد سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو، یعنی انبیاء

علیہم السلام کے بعد جو انسان، باقی سب انسانوں سے زیادہ فضیلت والا ہے وہ ابوبکر ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابوبکر کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور باقی لوگوں کا دوسرے پلڑے میں تو وزن میں ابوبکر کا ایمان بھاری ظاہر ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے افضل الصحابہ ہونے کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کیونکہ دوسرے تمام صحابہ کی بنسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا زیادہ موقع ملا لہٰذا شرفِ صحابیت میں جو فضیلت کا بڑا سبب ہے آپ کو دوسروں پر فوقیت و برتری حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ عاقل بالغ آزاد مردوں میں آپ وہ پہلے خوش نصیب انسان ہیں جس نے دعوت اسلام پر لبیک کہا اور بلا تامل مشرف بہ اسلام ہوئے لہٰذا آپ السابقون الاوّلون اور وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ میں نمبر اول پر اور سرفہرست آتے ہیں، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اگرچہ آپ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئیں لیکن آپ خواتین میں سے ہیں مردوں میں سے نہیں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اگرچہ آپ سے کچھ پہلے ایمان لائے لیکن کمی عمر کی وجہ سے آپ کا شمار نابالغ مردوں میں ہوتا تھا سیرت ابن ہشام کی روایت کے مطابق جب حضرت علی مشرف بہ اسلام ہوئے اُن کی عمر دس سال تھی لہٰذا کم از کم چار پانچ سال کے بعد بالغ ہوئے، اسی طرح حضرت زید بن حارثہ بھی اگرچہ حضرت صدیق اکبر سے پہلے اسلام لائے لیکن وہ آزاد نہیں غلام تھے، لہٰذا یہ کہنا قطعی طور پر درست ہے کہ بالغ اور آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اور شرف صحابیت میں آپ کو سب آزاد مردوں پر اوّلیت حاصل ہے، اور پھر چونکہ اسلام لانے کے وقت سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے آخر وقت تک ساتھ رہے لہٰذا آپ کو انوارِ نبوت سے مستنیر اور شرف صحابیت سے مشرف ہونے کا سب سے زیادہ وقت ملا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اگرچہ اسلام لانے کے بعد آخر وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے لیکن چونکہ حالت بلوغت میں انہیں صحابیت کا شرف، حضرت صدیق کے بعد حاصل ہوا لہٰذا اس لحاظ سے ان کی مدت صحابیت حضرت صدیق کی مدت صحابیت سے کم ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت زید بن حارثہ کی شہادت چونکہ وفاتِ رسول اللہ سے تقریباً دو سال پہلے غزوہ موتہ میں ہوگئی لہٰذا مدت صحابیت میں وہ بھی حضرت صدیق اکبر سے کم ہو جاتے ہیں، علی ہذا القیاس ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اگرچہ اوّلین ایمان لانے والوں میں ہیں لیکن

چونکہ اُن کا وصال ہجرت سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ ہی میں ہو گیا تھا لہٰذا ان کی کل مدّت صحابیت دس سال ہے جب کہ حضرت صدیق اکبر کی تقریباً تیئیس سال ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہونے کا سب سے زیادہ موقع ملا اسی طرح رسول اللہ کی خدمت سے مشرّف ہونے کا بھی سب سے زیادہ موقعہ ملا، آپ کو ذاتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی لہٰذا ہر بات اور ہر عمل میں اپنے محبوب کی مرضی کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور اطاعت و فرمانبرداری اور اتباع و پیروی میں آپ سب سے بڑھے ہوئے تھے، آپ کی زندگی ہر پہلو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بہت زیادہ مشابہت و مطابقت رکھتی تھی آپ اخلاق محمدی کا ایک بہترین اور کامل نمونہ تھے، تفصیل کا موقع نہیں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں

حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو اس کی تعمیل میں حضرت صدیق اکبر بھی حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں برک الغماد کے مقام پر جو مکہ سے یمن کی طرف تین دن کی مسافت پر ہے مکہ کے ایک سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی جو کہیں سے واپس آرہا تھا، اس نے پوچھا ابوبکر کہاں جارہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ مکہ والوں کے مظالم نے مجھے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ حبشہ جارہا ہوں وہاں آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں گا۔ اس پر ابن دغنہ نے کہا حالانکہ وہ کافر تھا آپ جیسے اچھے اور نیک انسان کو مکہ سے کیسے نکالا جاسکتا ہے جو مسکینوں و محتاجوں کی ہمدردی اور دستگیری کرتا، اپاہجوں اور معذوروں کا بوجھ اٹھاتا اور انہیں سہارا دیتا، قرابتداروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتا، مہمانوں کی مہمانداری کرتا، مصیبت زدوں کی مدد اور مظلوموں کی حمایت کرتا ہے، آپ واپس چلئے میں آپ کی امان کا ذمہ لیتا ہوں اب وہاں آپ کو عبادت الٰہی سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ابن الدغنہ کے ساتھ واپس مکہ چلے آئے، مکہ پہنچ کر ابن الدغنہ نے جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا دوسرے سرداروں سے کہا کہ غضب ہے کہ تم ابوبکر جیسے انسان کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کرتے ہو۔ جو ان خوبیوں کا مالک ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے اس کو پناہ اور امان دے دی

ہے لہٰذا اب کوئی اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے اور اس کو عبادت سے نہ روکے۔

اس مثال سے میرا مقصد یہ بتلانا ہے کہ ابن الدغنہ نے اپنی گفتگو میں حضرت ابوبکر صدیق کے جن اخلاقی اوصاف کا ذکر کیا ہے یہ بعینہٖ وہی صفات ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے متعلق بیان کئے جب آپ پر پہلی مرتبہ فرشتۂ وحی آیا اور اس کی گفتگو وغیرہ سے بمقتضائے بشریت آپ کی طبیعت مبارک پر گھبراہٹ کا اثر نمودار ہوا۔ اسی طرح اصحاب سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی نہ کبھی شراب کو منہ لگایا، نہ کبھی جوئے قمار کی مجلس میں شریک ہوئے نہ کبھی کسی بُت کے آگے سر جھکایا اور نہ کبھی کوئی فحاشی و بے حیائی کا کام کیا، نیز امانت و دیانت میں بھی مشہور و معروف تھے چنانچہ مکہ میں دیت و خوں بہا کے معاملات آپ کے سپرد تھے آپ جو فیصلہ فرماتے اُسے سب مانتے، خوں بہا کی رقمیں آپ کے پاس جمع ہوتیں اور اس میں صرف آپ کی ضمانت کو تسلیم کیا جاتا۔ لہٰذا اعلیٰ انسانی اخلاق اور شریفانہ خصائل کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت اسلام سے پہلے بھی ایک عظیم اور محبوب شخصیت تھی اور پھر اسلام لانے کے بعد اس پر چار چاند لگ گئے اور وہ اس بلند مقام پر پہنچے جو نبوت کے بعد دوسرا مقام ہے اور جس کا نام مقام صدیقیت ہے۔

علامہ زمخشری مصنف تفسیر کشاف نے عشرۂ مبشرہ کے فضائل و خصائص پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام خصائص العشرۃ الکرام البررۃ ہے اس میں انہوں نے قرآن و حدیث سے اخذ کر کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تیس خصائص لکھے ہیں جو صرف آپ کو حاصل تھے دوسرا کوئی آپ کے ساتھ ان میں شریک نہ تھا، سب بیان کرنے کیلئے وقت نہیں ان میں سے صرف چند بیان کرتا ہوں :-

آپ اسلام کے سب سے پہلے داعی اور مبلغ ہیں چنانچہ آپ کی مخلصانہ تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن العوام عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحہ بن عبداللہ مشرف بہ اسلام ہوئے جو عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں، اور پھر آپ ہی کی تبلیغ سے حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوسلمہ اور حضرت خالد بن سعید کو اللہ نے اسلام کی نعمت سے نوازا جو صف اوّل کے صحابہ کبار میں سے ہیں۔

آپ پہلے مُسلمان ہیں جس کو اسلام لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے کی وجہ سے کفار نے سخت مارا پیٹا یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور پھر کئی گھنٹوں کے بعد جب ہوش آیا تو زبان پر یہ الفاظ تھے ۔ ما فعل برسول اللہ کوئی یہ بتلائے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ کیا ہوا ، آپ پہلے مُسلمان ہیں جس نے اُن مُسلمان غلاموں اور کنیزوں کو خرید کر آزاد کیا جن کے کافر آقا ، اسلام کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے جیسے حضرت بلال حبشی حضرت عامر بن فہیرۃ ، حضرت ابو فکیہ ، حضرت لُبینہ حضرت زُنیرہ ، حضرت نہدیہ اور حضرت امّ عبیس وغیرہ ۔ آپ وہ پہلے مسلمان ہیں جن کا پہلا نام عبدالکعبہ ، رسول اللہ صلعم نے بدل کر دوسرا نام عبداللہ رکھا ، نیز صدیق اور عتیق کے القاب سے نوازا آپ کو سب سے پہلے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ، آپ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کا مدینہ میں سنگ بنیاد رکھا ، آپ کو رسول اللہ کی رفاقت میں ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی ، آپ پہلے شخص ہیں جس کے اہتمام سے قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا گیا ، آپ ہی وہ ہیں جس کو رسول اللہ صلعم نے مرض موت میں باصرار نماز کی امامت کا حکم فرمایا اور خود بھی آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی ۔ اسی طرح یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو اپنی زندگی میں امیر حج مقرر کیا ، اور آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جسے رسول اللہ کی وفات کے بعد خلیفۂ رسول کے لقب سے یاد کیا اور پکارا گیا ، آپ نے سب سے پہلے بیت المال قائم کیا ، آپنے سب سے پہلے اجتہاد اور استنباط احکام کے اصول اربعہ مقرر فرمائے ، آپ کو رسول اللہ نے جہنم سے نجات کی خوشخبری سنائی ، فرمایا :۔ عتیق من النار ، اسی طرح تنہا آپ ہی وہ شخص ہیں جو غار ثور میں رسول اللہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ثانی اثنین اور یار غار کہلائے ، قرآن مجید کی ایک آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا پانچ مرتبہ ذکر ہے وہ آیت سورۃ التوبۃ کی یہ آیت ہے :۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ اس آیت میں پہلی مرتبہ اثنین میں ، دوسری مرتبہ ھُمَا میں ، تیسری مرتبہ لِصَاحِبِہٖ میں ، چوتھی

مرتبہ لَا تَحْزَنْ میں اور پانچویں مرتبہ مَعَنَا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر کا ذکر ہے، اسی طرح مفسرین کرام نے قرآن مجید کی دس آیتوں کا مصداقِ اوّل حضرت صدیق اکبرؓ کو قرار دیا ہے، اس مختصر مقالے میں ان آیات کو نقل کرنے اور ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کے لئے مستقل مقالے کی ضرورت ہے۔

پھر صدیق اکبرؓ ہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا، مَا نَفَعَنِی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر، مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہیں پہنچایا جو ابوبکر کے مال نے پہنچایا، حضرت ابوبکر نے جب یہ الفاظ مبارک سنے تو رو پڑے اور عرض کیا حضور میری جان اور میرا مال میرے نہیں صرف آپ کے ہیں ایک اور موقع پر رسول اللہ نے فرمایا:۔ ما احد اعظم عندی یدا من ابی بکر، واسانی بنفسہ ومالہ، ترجمہ: کسی کے مجھ پر اتنے احسان نہیں جتنے ابوبکر کے ہیں اُس نے اپنی جان سے بھی میری ہمدردی کی اور اپنے مال سے بھی میری مواسات اور خدمت کی۔ پھر ایک موقعہ پر رسول اللہ صلعم نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر جس نے بھی کوئی احسان کیا میں نے اس کی مکافات کی سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اللہ اُس کو قیامت میں دے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مردوں میں وہ کون ہے جو آپ کو سب سے پیارا اور محبوب ہے تو فرمایا: ابوبکر صدیق،

عہد نبوی میں جتنے غزوات ہوئے اور جتنے اہم واقعات وحالات پیش آئے ان سب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور کبھی کسی موقع پر راہِ حق میں کسی جانی مالی قربانی سے دریغ نہ کیا غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، ——— غزوہ بنی مصطلق، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، غزوۂ حُنین، غزوۂ طائف، غزوۂ موتہ، غزوۂ ذات السلاسل اور غزوۂ تبوک سب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

منصب خلافت قبول کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبر نے جس دانشمندی، دور اندیشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے منصبی فرائض انجام دیئے ان کی مثال ملنا مشکل ہے، شروع ہی میں متعدد داخلی اور خارجی فتنے رونما ہوئے جیسے ارتداد

کا فتنہ، بعض قبائل کی بغاوت کا فتنہ، مانعین زکوٰۃ کا فتنہ، جھوٹے مدعیان نبوت کا فتنہ، لیکن اللہ کی خاص مدد سے تھوڑے ہی عرصہ میں ان سب فتنوں کا صفایا اور قلع قمع کر کے رکھ دیا گیا اور داخلی امن و استحکام عمل میں آیا، خارجی طور پہ رومیوں اور ایرانیوں سے جنگی مقابلے ہوئے اللہ نے اُن میں بھی نمایاں کامیابیاں عطا فرمائیں اور نئی فتوحات کے ذریعے مملکت اسلامی کی حدود میں کافی وسعت پیدا ہوئی، دراصل اس مختصر دورِ خلافت میں وہ بنیادیں قائم ہوئیں جن پر آگے چل کر عہد فاروقی میں ایک عظیم الشان اسلامی مملکت وجود میں آئی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ اپنے مندرجات، متضمنات اور مقتضیات کے لحاظ سے بڑا اہم اور عظیم خطبہ تھا اس مختصر لیکن نہایت جامع مانع خطبے کا اُردو ترجمہ یہ ہے :-

حمد و ثنا اور صلوٰۃ و سلام کے بعد فرمایا، لوگو! میں تمہارا والی اور امیر بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک طریقہ سے اپنے فرائض انجام دوں تو تم میری مدد کرو، اور اگر غلط طریقہ پر کام کروں تو تم مجھے سیدھا کر دینا، اور یاد رکھو کہ سچائی ایک امانت اور جھوٹ خیانت ہے۔ اور آگاہ رہو کہ تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک کہ میں اُسے اُس کا حق نہ دلوا دوں اور اسکی شکائت دور نہ کر دوں، اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اُس سے دوسرے کا حق نہ لے لوں۔ اور یاد رکھو کہ جب کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے تو اللہ اس پر ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم کے اندر فحاشی اور بے حیائی پھیلتی ہے تو قانون خداوندی کے تحت ایسی قوم پر طرح طرح کی مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اور تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اُٹھو اب نماز ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے!

حضرات! غور سے دیکھا جائے تو اس مختصر لیکن بلیغ خطبے میں وہ اصولی تصورات آگئے ہیں جو اسلامی دستور مملکت میں اساسی اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اس میں اسلامی حکومت کی نوعیت، سربراہ حکومت کی حیثیت اور اس کے اختیارات اور فرائض کا دائرہ کار،

نیز رعایا اور شہریوں کے حقوق اور فرائض، حکومت کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت، اور وفاداری وعدم وفاداری کی جائز وناجائز حدود وغیرہ پر اجمالی روشنی پڑتی ہے، اس میں جہاد فی سبیل اللہ پر جو آمادہ کیا اور فحاشی وبے حیائی سے جو روکا گیا ہے دراصل اس کے ساتھ بھی مملکت کے امن واستحکام کا گہرا تعلق ہے دراصل اس خطبے کی شرح میں ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معاشی زندگی، نہایت معمولی اور سادہ زندگی تھی، خوراک، لباس اور مکان وغیرہ میں ان کا معیار زندگی، عام لوگوں کے معیار زندگی کے مساوی اور برابر تھا اور یہ حالت اس وقت بھی قائم رہی جب آپ خلیفہ تھے، معاش کے سلسلہ میں محنت ومشقت کرنے میں کوئی عار نہ محسوس فرماتے تھے، ہمیشہ محنت ومشقت کرکے کماتے کھاتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد بھی چند روز تک بازار میں جاکر کپڑا بیچتے رہے لیکن جب یہ دیکھا کہ پورا وقت حکومت کے کاموں میں صرف کردینے کی ضرورت ہے ادھر حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوعبیدہ نے بھی یہی عرض کیا کہ اب آپ اپنا پورا وقت حکومت کے کاموں میں صرف کردیں اور معاشی ضروریات کے لئے بیت المال سے کچھ لیتے رہیں تو آپ نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے مختصر سا روزینہ مقرر کیا جس سے سادہ طریقہ پر بمشکل گزارہ ہوسکتا تھا اور وہ بھی بعد میں سب کا سب بیت المال کو واپس کردیا گیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ معیار زندگی میں مساوات کو پسند کرتے اور ترجیح دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب کوئی مال غنیمت آتا تو آپ اُسے بلا کسی تخصیص وامتیاز سب میں برابر برابر تقسیم فرماتے، ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ اگر دینی خدمات کی کمی بیشی کے لحاظ سے تقسیم میں کمی بیشی کا لحاظ رکھا جائے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا تو آپ نے فرمایا۔ دوسرے امور میں فرق و تفاوت ہو تو ہو لیکن معاش کے معاملہ میں میرے نزدیک مساوات ہی بہتر ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی عقل ودانش اور اعلیٰ تدبر ودانائی کے ساتھ، ممتاز علم وفضل سے بھی نوازا تھا۔ آپ قرآن وسنت کے وسیع اور گہرے علم کے ساتھ ساتھ انساب عرب اور تاریخ واقعات عرب کا بھی خاص علم رکھتے تھے مشکل مسائل میں صحابہؓ ان کی طرف رجوع فرماتے اور آپ مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ انہیں حل فرمادیتے، بلاشبہ آپ کو دین کا غیر معمولی فہم اور استنباط واجتہاد کا بلند مرتبہ حاصل تھا، علم تعبیر خواب میں

بھی خاص مقام رکھتے تھے، فن تقریر و تحریر اور خطابت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ان تمام اوصاف اور فضائل اخلاق سے مزین اور آراستہ تھے۔ جن سے اسلام ایک مسلمان کو ہمیشہ آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی عظیم کتاب ازالۃ الخفاء میں جو خلفاء راشدین سے متعلق بے مثال کتاب ہے، اس میں انہوں نے تصوّف صدیقی پر بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ کمال طریقت کیلئے جن اوصاف اور ملکاتِ نفسانی کی ضرورت ہے مثلاً توکل، ورع، احتیاط، کفِ لسان، تواضع، شفقت بر خلق خدا تسلیم و رضا، نفی ارادہ، زہد، خشیت، عبرت، عجز و انکسار، رقت قلب، تحمل و بُردباری فقر و درویشی، یہ سب حضرت ابوبکر صدیق میں بتمام و کمال پائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق کی شخصیت ہر پہلو اور ہر لحاظ سے تاریخ اسلام اور اُمت مسلمہ کی ایک عظیم ترین شخصیت تھی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا، دُرست ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، اسی طرح صدیق اکبرؓ کے متعلق بھی یہ کہنا درست ہوگا کہ بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر۔

آپ کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں بروز دوشنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی، وفات سے پہلے وصیت فرمائی کہ میں نے دو سال تین ماہ کی مدت میں بیت المال سے جو وظیفہ لیا ہے اس کی مقدار چھ ہزار درہم بنتی ہے میری فلاں زمین فروخت کر کے اس سے اتنی رقم بیت المال کو واپس کر دی جائے اور یہ کہ میرے پاس خدمت کیلئے جو غلام ہوا اسی کے لئے جو اونٹ اور استعمال کے لئے جو چادر ہے مرنے کے بعد یہ چیزیں بھی حضرت عمرؓ کے حوالہ کر دی جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کی نماز جنازہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد مبارک کے ساتھ متصل قبر میں دفن کر دیئے گئے، گویا محب صادق نے مر کر بھی اپنے محبوب کا ساتھ نہ چھوڑا، دشمنان صدیق جب اس چیز کو دیکھتے ہیں تو جل بھن کر رہ جاتے ہیں اور یہ ان کے لیے دنیا میں ایک طرح کا عذاب ہے۔

درود و سلام ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور بے شمار رحمتیں ہوں آپکے سب اصحاب اطہار پر جن کے سر فہرست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا نام مبارک آتا ہے اور جو اس مقدس جماعت کے سرخیل ہیں:۔

ڈاکٹر اسرار احمد

آخری قسط

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

شہیدِ مظلوم رض واقعہ یہ ہے کہ شہیدِ مظلوم حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اس سے قبل مسلمان کفّار کے ہاتھوں شہید ہوئے انفرادی طور پر بھی اور میدانِ قتال میں بھی۔ جہاں انہوں نے کفّار کو قتل بھی کیا اور خود شہادت کے مرتبۂ عالیہ سے سرفراز بھی ہوئے لیکن حضرتِ عثمانؓ وہ پہلے مردِ صالح اور محبوبِ رسولِ خدا ہیں ـــــ محبوب بھی کیسے محبوب؟ جن کے حبالۂ نکاح میں یکے بعد دیگرے حضورؐ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ جن کے حسنِ سلوک سے نبی اکرمؐ اتنے خوش تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی چالیس بیٹیاں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دینے کے لیے راضی تھے۔ اور جن کے متعلق حضورؐ نے یہ بشارت دی تھی کہ: لِکُلِّ نبیٍّ رفیق و رفیقی یعنی فی الجنّۃ عثمان (ترمذی) "جنّت میں ہر نبی کے ساتھ اُس کی اُمّت سے ایک رفیق ہوگا اور عثمانؓ میرے رفیق ہیں، وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوں گے"۔ جو امامِ وقت، خلیفۂ راشد اور امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت سے خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے ـــــ وہ بزرگ ہستی انتہائی مظلومیت کی حالت میں قتل ہوئی، جو کاتبِ وحی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ "بخدا حضرت عثمانؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے اور حضورؐ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی کہ حضورؐ میرے اوپر اپنی پشت سے سہارا لگائے ہوئے ہوتے اور حضرت عثمانؓ سے فرماتے کہ لکھو"۔ چنانچہ کتبِ سیر میں منقول ہے کہ جب باغیوں کے حملہ سے حضرت عثمانؓ کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا تو انہوںؓ نے کہا کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس نے سورۂ مفصّل کو لکھا تھا ـــــ وہ مبارک شخصیت حالتِ محصوری میں شہید کی گئی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُمّت پر یہ احسان فرمایا کہ پوری اُمّت کو ایک مصحف پر مجتمع اور متفق کر دیا۔ آج ہم جس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ بہ کمال و تمام صحّت کے ساتھ اُمّت تک حضرت عثمانؓ ہی کی بدولت منتقل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرۃ

انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد (جو دورِ عثمانی میں ہوئی تھی) مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے اہلِ عراق و شام میں قرأت قرآن میں مسلمانوں کے اختلاف کا بڑی تشویش کے ساتھ حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا اور کہا "یا امیرالمومنین یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف ہونے سے پہلے اس امت کا تدارک کر لیجیے۔" حضرت عثمانؓ نے صدیقِ اکبرؓ کے دور میں جمع کیا ہوا مصحف، ام المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ سے منگا بھیجا۔ چنانچہ آپ نے اس مصحف کو قریش کی زبان کے موافق لکھوایا۔ چونکہ اُن کی زبان ہی میں قرآنِ حکیم نازل ہوا تھا اور اس مصحف کی نقول تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیجیں ——

وہ معتمد شخصیت مظلوم شہیدؓ کی گئی جس پر حضورؐ کو، صدیقِ اکبرؓ کو اور عمر فاروقؓ کو کامل اعتماد تھا اور جو ہر نازک موقع پر مشوروں میں شریک رہے۔ یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ مرض الموت میں جب حضرت ابوبکرؓ اپنے جانشین کے لیے حضرت عثمانؓ سے وصیت لکھوا رہے تھے تو حضرت عمرؓ کا نام لکھوانے سے قبل غشی طاری ہو گئی لیکن حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا۔ جب غشی دور ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا "پڑھو کیا لکھا ہے؟" جب حضرت عمرؓ کا نام سنا تو حضرت ابوبکرؓ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں اور کہا "تم نے عمرؓ کا نام اس لیے لکھ دیا کہ مبادا اس غشی میں میری جان چلی جائے۔ جنت کے بشارت یافتہ اس امامِ وقت کا خونِ ناحق بہایا گیا، جن سے احادیث کی معتبر کتابوں میں ایک سو چالیس حدیثیں مروی ہیں جن میں وہ مشہور حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے اور ہماری دعوت رجوع الی القرآن میں رہنما اصول کے طور پر شامل ہے کہ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے کہ جس مومن صالح نے چالیس حدیثیں یاد کر لیں تو اُس کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ قیامت میں علماء کے زمرے میں اُٹھایا جائے گا تو جن کو ایک سو چالیس حدیثیں یاد ہوں، اُن کے مرتبے اور مقامِ علو کا کیا کہنا! اُس عالی مقام بزرگ کو شہید کیا گیا جس سے خدا بھی راضی تھا اور رسول اللہ بھی راضی تھے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ "ایک دن حضرت اُمِّ کلثومؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ میرا شوہر بہتر ہے یا فاطمہؓ کا —— حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد کیا کہ: "تمہارا شوہر اُن لوگوں میں سے ہے جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسولؐ اُن کو دوست رکھتا ہے" —— پھر حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "میں تم سے اِس سے بھی زیادہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ میں (معراج میں) جب جنت میں داخل ہوا اور عثمانؓ کا مکان دیکھا تو

اپنے صحابہؓ میں سے کسی کا ایسا نہیں دیکھا، اُن کا مکان سب سے بلند تھا۔" اِس روایت کے ساتھ ہی حضرت ابنِ عباسؓ اپنے اِس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ "میں کہتا ہوں یہ بلوہ پر صبر کرنے کا ثواب ہے۔"

حضرتِ عثمانؓ پر پانی بند

حضرتِ عثمانؓ تقریباً پچاس دن محاصرے کی حالت میں رہے اور بلوائیوں نے امامِ وقت کو پانی ترسا دیا۔ اُن مفسدین کی شقاوتِ قلبی دیکھئے کہ اُس شخص پر پانی حرام کر دیا گیا جس نے اپنی جیب خاص سے بیرِ رُومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس وہ امانتیں لینے جانا چاہتی تھیں جو لوگوں کی آپ کے پاس محفوظ تھیں۔ چونکہ دگرگوں حالات سب کے سامنے تھے، اُمّ المومنینؓ نے پانی کا مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا لیکن باغیوں نے نیزوں کے پھلوں سے مشکیزے میں چھید کر دیئے۔ اُمّ المؤمنین کی شان میں گستاخی کی اور اُن کو جانے نہیں دیا۔ یہی واقعہ حضرتِ حسنؓ اور حضرتِ حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ حضرت عثمانؓ کو پانی کی مشک بھیجی۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ بلوائی کم از کم حسنینؓ کا تو لحاظ کریں گے۔ لیکن ظالموں نے اُن کی بھی پرواہ نہیں کی اور مشک کو نیزوں سے چھید دیا۔

دشمنوں کی چالاکی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے خانوادے کی کربلا میں پیاس کے چرچے کو اتنا عام کیا گیا، اتنا اہتمام کیا گیا اور مسلسل پھیلایا جاتا ہے کہ سُنّیوں کے ذہن پر بھی یہی بات مُسلّط ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پانی بند کر کے انتہائی ظلم اور شقاوتِ قلبی کا مظاہرہ کیا گیا تھا اور بلاشبہ یہ انتہائی شقاوت تھی، اس سے انکار نہیں۔ لیکن اِس کے اِس قدر چرچے کی اصل غایت یہ ہے کہ عثمانؓ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پچاس دن رات جو پانی بند رکھنے کے باعث اس اہلِ برحق پر اور اس کے اہل خاندان پر جو بیتی تھی وہ ماند پڑ جائے بلکہ محو ہو جائے ـــــ یہی وجہ ہے کہ سُنّیوں کو معلوم تک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ، فضیلت کے لحاظ سے پوری اُمّتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام میں تیسرے مقام پر فائز شخصیّت، نبی اکرمؐ کے دوہرے داماد کس بہیمانہ ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے تھے۔ حضرت حسینؓ پر کتنے دن پانی بند رہا؟ مشہور روایات کے مطابق ۲ محرّم الحرام کو تو وہ میدانِ کربلا میں پہنچے تھے، اگر

کو اُن کی شہادت ہوگئی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار دن پانی بند رہا۔ پھر حضرت حسینؓ کا قافلہ دریائے فرات سے کچھ ہی فاصلہ پر مقیم تھا۔ جہاں تھوڑا سا گڑھا کھودا جائے تو پانی برآمد ہو جاتا ہے، البتہ وہ گدلا اور ناصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ گڑھے کھودے گئے —— اور گدلا پانی فراہم کیا گیا لیکن حضرت عثمانؓ پہ تو پچاس دن کے لگ بھگ پانی بند کیا گیا اور وہ اپنے مکان کے بالاخانے کی بالکونی سے بلوائیوں اور محاصرہ کنندگان سے فریاد کرتے رہے کہ "میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم جانتے ہو کہ بیرِ رُومہ سے کوئی شخص بلاقیمت پانی نہیں پی سکتا تھا۔ پھر میں نے اُس کو خرید کر وقف کر دیا۔ امیر و غریب اور مسافر سب اُس سے سیراب ہوتے ہیں" لوگوں نے کہا "ہاں ہم جانتے ہیں"۔ لیکن اس کے باوجود اُن ظالموں کی طرف سے امامِ مظلومؓ کو پانی پہنچنے نہیں دیا گیا۔ حسینؓ کی پیاس کا اتنا چرچہ کیا گیا، اُس میں اتنی رنگ آمیزی کی گئی اور اُن کی پیاس کی مبالغہ آمیز داستان اس لیے بنائی گئی کہ حضرت عثمانؓ کی پیاس یاد نہ رہے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت پر مظلومیت کا رنگ اس لیے چڑھایا گیا کہ حضرت عثمانؓ کی مظلومیت آنکھوں سے اوجھل ہو جائے —— پُورے ڈرامائی انداز سے ایک واقعہ کو —— جو اپنی جگہ کتنا ہی المناک کیوں نہ ہو —— اس طرح عوام النّاس میں پھیلا دیا گیا ہے کہ اب کوئی جانتا ہی نہیں کہ اُمّت کے اصل مظلومِ شہید حضرت عثمان ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر ہر سال اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ گویا تاریخِ اسلام میں اس سے زیادہ المناک اور عظیم سانحہ کوئی وقوع پذیر ہوا ہی نہیں اور حضرت حسینؓ سے زیادہ امّت میں کوئی مظلوم ہی نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سانحۂ فاجعہ بھی انتہائی المناک تھا اور ہے۔ یہ تاریخِ اسلام پر ایک بدنما داغ ہے لیکن ہر واقعے اور سانحے کا ایک مقام اور مرتبہ ہوتا ہے۔ اُس کو اسی مقام پر رکھنا چاہیئے، افراط و تفریط سے عدل و انصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے —— حضرت حسینؓ شہید ہوئے، مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں شہید ہوئے یہ انتہائی قابلِ افسوس حادثہ ہے۔ لیکن میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے، قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہوئے۔ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ چاہے ایک کا ایک سو سے مقابلہ ہو، لیکن جب کوئی میدانِ جنگ میں ہے، اُس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہے تو یَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ والا معاملہ کسی نہ کسی درجے میں تو پیش ہے۔ مقابلہ کرنے والا قتل بھی کرتا ہے اور مقتول بھی ہوتا ہے، یہ صورتِ حال بالکل دوسری ہے —— لیکن ذرا تقابل تو کیجیے میدانِ کربلا کے میدانِ

کارزار کا اور حضرت عثمانؓ کی تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد شہادت کا۔ وقت کی عظیم ترین سلطنت کا فرماں روا، جس کی حدودِ مملکت کا یہ عالم ہو کہ حضرت ذوالقرنین جیسے عظیم شہنشاہ سے بھی سہ چند، جیسا کہ میں ابتدا میں عرض کر چکا ـــــ وہ اگر ذرا اشارہ کر دے تو اتنی فوجیں جمع ہو سکتی ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں۔ مصر، شمالی افریقہ، شام و فلسطین، یمن، نجد حجاز، عراق اور ایران کے جاں نثار گورنرز، سب اُن کے ایک حکم پر لشکرِ جرّار کے ساتھ حاضر ہو سکتے تھے ـــــ حضرت معاویہؓ انتہائی اصرار کرتے رہے کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ان بلوائیوں، شورش پسندوں، فتنہ گروں اور باغیوں سے نمٹ لیں۔ لیکن عثمانؓ کی زبان پر ایک حکم تھا ـــــ "نہیں" ـــــ اگر اس پیکرِ صبر و رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایک لفظ بھی اجازت کا نکل جاتا تو میں سچ کہتا ہوں کہ بلوائیوں اور باغیوں کی تکہ بوٹی ہو جاتی اور اُن کا نام و نشان ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا ـــــ لیکن عثمانؓ اس آزمائش میں صبر و ثبات اور علم و تحمّل اور قوتِ برداشت کے کوہِ ہمالیہ کی طرح جمے اور کھڑے نظر آتے ہیں۔ انہیںؓ اپنی جان دینا قبول ـــــ اپنی بے حرمتی منظور ـــــ لیکن یہ بات کسی حال میں منظور نہیں کہ اُن کی وجہ سے کسی بھی کلمہ گو کے خون کی ایک بوند گرے ـــــ میں حیران ہوتا ہوں اُن لوگوں کی عقل اور سمجھ پر جو کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کمزور طبع تھے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کے بندو! غور کرو کوئی کمزور آدمی دیکھا ہے جو ان حالات میں، جو حضرتِ عثمانؓ کو پیش آئے، تحمّل و علم اور صبر و ثبات کا بے نظیر مظاہرہ کر سکے ـــــ جب بلّی کی جان پر بن آتی ہے تو وہ آپ کے حلقوم پر جھپٹّا مارنے کے لیے تیار ہوتی ہے۔

اُدھر حال یہ ہے کہ ایک اشارے پر بے شمار جاں نثار جمع ہو سکتے ہیں، جو پسینے کی جگہ اپنا خون بہانا اپنے لیے سعادت سمجھیں گے۔ کمزور آدمی تو فوراً مشتعل ہو جاتا ہے، کمزور آدمی میں علم کہاں اور تحمّل کہاں ـــــ حضرت عثمانؓ ساری قوّت، سارے وسائل اور سارا دبدبہ رکھتے ہوئے پھر بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں اور یہ ڈٹ جانا ایک دن کا نہیں ہے، دو دن کا نہیں ہے بلکہ پورے پچاس دن ڈٹے ہوئے ہیں کہ چاہے میری جان چلی جائے، میرا خون بہہ جائے لیکن میں اپنی حفاظت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کے لیے تیار نہیں ـــــ صحابہؓ کہتے ہیں کہ عثمانؓ نے تو ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، ہم کریں تو کیا کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ بلوائیوں کی کل تعداد اٹھارہ سو تھی۔ بعض لوگ تعجّب کرتے ہیں کہ عین دارالخلافہ میں ۱۸۰۰ سو نفوس کس طرح پچاس

دن محاصرہ کے بعد خلیفہ موقت کو قتل کر گئے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ عثمانؓ نے صحابہؓ کو پابند کر دیا تھا کہ میری مدافعت کے لیے تلوار نہیں اٹھائی جائے گی۔ میں کسی کلمہ گو کے خون کی چھینٹ اپنے دامن پر برداشت نہیں کر سکتا ـــــ یہ بلوائی بلاشبہ باغی تھے، منافق تھے، لیکن تھے تو کلمہ گو۔ یاد کیجیے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے گستاخانہ رویہ پر عمر فاروقؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں عمرؓ! وہ کچھ بھی ہو، اس کو کلمہ کا تحفظ حاصل ہے

عین حالتِ جنگ میں ایک شخص نے اس وقت جب کہ وہ حضرتِ اسامہؓ کی تلوار کی زد میں آگیا، کلمہ پڑھ دیا۔ لیکن انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ انہوں نے وہی کچھ سمجھا جو ایسے موقع پر ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ جب حضورؐ کے علم میں یہ بات آئی اور حضورؐ نے حضرتِ اُسامہؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ حضورؐ! اُس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، اے اُسامہؓ! قیامت کے دن کیا کرو گے جب وہ کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا، جس کی ڈھال ہوتے ہوئے تمہاری تلوار اس شخص کی گردن پر پڑی ـــــ اِدھر یہ بلوائی کلمہ کی ڈھال لیے ہوئے تھے اُدھر معاملہ تھا عثمانؓ بن عفان سے، جو ایک طرف کامل الحیاء والایمان تھے تو دوسری طرف صبر و ثبات اور حلم و تحمل کی آہنی چٹان تھے ـــــ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اِن بلوائیوں کے خون کا ایک چھینٹا تک ڈھونڈے سے کہیں نظر نہ آتا۔ ایسی سبقی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کمزور طبع تھے، کمزور طبع تو جلد مشتعل (DESPRATE) ہو جاتا ہے اور وہ کچھ کر گزرتا ہے۔ جو عام حالات میں کسی طاقتور اور زور آور اور مضبوط قویٰ انسان سے بھی بعید ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی سیرت کا یہ حصہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ ایک کوہ اور چٹان تھے، صبر و ثبات اور استقامت کے ـــــ اچھی طرح سمجھ لیجیے اور صرف سمجھنے پر اکتفا نہ کیجیے بلکہ اس حقیقت کو عام کیجیے تاکہ مغالطوں، غلط فہمیوں اور فریبوں کے پردے چاک ہوں۔ اسی ضمن میں مغیرہؓ بن شعبہ کی ایک روایت اور سن لیجیے جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج کیا ہے۔ حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور کہا کہ امیر المومنین میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں، اُن میں سے کوئی اختیار فرما لیجیے، ورنہ یہ بلوائی آپ کو ناحق قتل کر دیں گے۔ یہ کہ آپ باہر نکل کر ان بلوائیوں سے مقابلہ

کیجیے، مدینہ میں بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، آپ کو شوکت حاصل ہے، آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر، لہٰذا یہ بلوائی مقابلے میں ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔ یا پھر اپنے مکان کی پشت پر ایک نیا دروازہ پھوڑ لیجیے اور سواریوں پر سوار ہو کر مکّہ چلے جائیے۔ چونکہ یہ لوگ مکّہ کی حرمت کی وجہ سے آپ پر دست درازی نہ کر سکیں گے اس لیے آپ قتل سے محفوظ رہیں گے۔ یا پھر آپ شام چلے جائیں جہاں کے لوگ آپؓ کے وفادار ہیں اور جہاں حضرت معاویہؓ موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اُن تینوں تجویزوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں رسول اللہؐ کی اُمّت میں پہلا خوں ریز خلیفہ بنوں اور اپنی مدافعت میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہانے کا سبب بنوں۔ مکّہ اس لیے نہیں جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا تھا کہ قریش کے جس شخص کی وجہ سے مکّہ میں ظلم ہوگا اُس پر نصف عالم کے برابر عذاب ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں وہی شخص بنوں۔ نیز دارالہجرت اور نبی اکرمؐ کا قرب چھوڑ کر شام جانا مجھے کسی طرح گوارا نہیں۔

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت بلوائیوں کا محاصرہ توڑ کر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا: "انصار دروازے پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں۔" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ "میں قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔" اسی قسم کی ایک روایت حضرت حسنؓ سے بھی مروی ہے کہ "انصار حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ یا امیر المومنین! ہم چاہتے ہیں کہ خدا کی دوسری مرتبہ مدد کریں۔ ایک مرتبہ تو ہم نے حضورؐ کی مدد کی تھی، اب دوسری مرتبہ آپؓ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے لیے ہرگز خون ریزی کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم واپس چلے جاؤ۔" حضرت حسنؓ مزید کہتے ہیں کہ وہ لوگ بخدا اگر صرف چادروں سے آپؓ کی حفاظت کرتے تو آپ کو بچا لیتے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ حکم لگانا کہ وہ کمزور طبع تھے، انتہائی ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں پھر یہی عرض کروں گا کہ یا تو ایسے لوگوں میں خود عقل نہیں یا دوسرے سب لوگوں کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ جو یہ کہہ دیں وہ باور کر لی جائے گی ـــــ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سی ساری کوشش کرنے بلکہ اپنی جان دے کر بھی فتنہ کو نہ روک سکے تو اُن کی شجاعت، جرأت اور شیرِ خدا ہونے میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو حضرت عثمانؓ کیسے کمزور ہو گئے جبکہ انہوں نے بھی اپنا خون صرف فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع نہ دینے کی وجہ سے دے دیا۔

پس اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس بات کی مسلمانوں میں خوب نشرو اشاعت کیجئے کہ ہمارے نزدیک میدانِ قتال میں کفّار کے ہاتھوں شہید ہونے والوں میں پوری اُمّت میں سب سے افضل ہیں، حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا اعضاء بُریدہ و مثلہ لاشہ اس حال میں رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہوں کے سامنے تھا کہ پیٹ چاک اور کلیجہ چبایا ہوا تھا۔ جن کو ترجمانِ وحی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے "سیّد الشّہدا" کا لقب دیا تھا۔ اُمّت کی تاریخ میں دوسرا المناک سانحہ تھا ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں حضرت عمرؓ فاروق کے چراغِ حیات کا گُل ہونا ـــــ اسی طرح اُمّت کے لیے حضرت علیؓ کی ایک نام نہاد کلمہ گو کے ہاتھوں شہادت بھی ایک سانحہ فاجعہ سے کم نہیں ـــــ لیکن مظلومیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ المناک، سب سے زیادہ دردناک، سب سے زیادہ عظیم سانحۂ فاجعہ ہے امامِ برحق، خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت عثمانؓ غنی ذوالنّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ـــــ حضرت حسینؓ کی شہادت اِن سب کے بعد آتی ہے ـــــ یہ عثمانؓ کا خونِ ناحق ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ کا غضب آیا اور پھر حضرت علیؓ کے دَورِ خلافت میں چوراسی ہزار (۸۴۰۰۰) مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے، خون کی ندّیاں بہہ گئیں، فتوحات کا سلسلہ رُک گیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ـــــ مسلمانوں میں تفرقہ پڑا، ایسا تفرقہ کہ چودہ سو سال (۱۴۰۰) بھی اُس کو پاٹ نہ سکے بلکہ وہ ہر دَور میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے ـــــ حضرت حسینؓ کی میدانِ کربلا میں شہادت کے ذمّہ دار بھی دراصل وہی سازشی لوگ تھے جن کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں ۱۸ ر ذوالحجّہ ۳۶ ھ کو امامِ مظلومؓ حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تھے اور حضرت حسینؓ کی شہادت پر واویلا اور ماتم کرنے والے بھی درحقیقت اکثر و بیشتر وہی لوگ ہیں، جن کے دامن خونِ عثمانؓ، خونِ علیؓ اور خونِ حسینؓ سے لالہ زار اور داغدار ہیں۔

سانحۂ عظیم

روایات میں آتا ہے کہ حضرتِ عثمانؓ کی شہادت سے چند یوم قبل حضرت عبد اللہؓ بن سلام آتے ہیں (جو اسلام سے قبل ایک جیّد یہودی عالم تھے) اور محاصرین سے حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ چونکہ اس بلوے میں اصل سازشی ذہن تو یہودیوں کا کام کر رہا تھا لہٰذا بلوائی بہت خوش ہوئے۔ اُن کا گمان یہ تھا کہ یہ بھی حضرت عثمانؓ سے کوئی گستاخی کر

کے آئیں گے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن سلام کو اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیجیے چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ظالم اب آپ کو شہید کئے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ ہی کی مدافعت میں شہید ہو جاؤں ——— اس کے جواب میں حضرت عثمانؓ کے یہ الفاظ روایات میں محفوظ ہیں کہ "میرا جو حق تم پر ہے اُس کا واسطہ دے کر میں تم سے کہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ میرے ساتھ نہ رہو" وہ حق کیا تھا؟ اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کبھی اُن کے ساتھ کوئی سلوک کیا ہو، اُس کا واسطہ دیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد امیر المؤمنین ہونے کی وجہ سے عبداللہؓ بن سلام پر جو اطاعت واجب تھی، اُس کا واسطہ دیا ہو ——— بہرحال ناچار حضرت عبداللہؓ بن سلام واپس چلے گئے ——— باہر بلوائی منتظر تھے کہ وہ آئیں گے تو ہم کو سنائیں گے کہ کس کس طرح وہ حضرت عثمانؓ کی دل آزاری کر کے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے بلوائیوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ: "لوگو! باز آجاؤ۔ امام وقت کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگو۔ میں تم کو بتاتا ہوں کہ کوئی اللہ کا نبی کبھی شہید نہیں کیا گیا۔ جس کی پاداش میں کم از کم ستر ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے اور کسی نبی کا خلیفہ کبھی شہید نہیں کیا گیا الا آنکہ اُس کی شہادت کے بعد کم از کم ۵ سو ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے۔ ——— دیکھو! باز آجاؤ، میں سچ کہتا ہوں کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی" بلوائی کچھ اور توقع کر رہے تھے لیکن جب یہ بات سُنی تو شور مچا دیا کہ "یہ یہودی جھوٹ بکتا ہے" انہوں نے پھر کہا "خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہہ رہا، بلکہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اللہ کی کتاب تورات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں! اب بھی باز آجاؤ، ورنہ تمہاری اس حرکت سے جو فتنے کا دروازہ کھلے گا، اُس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے"

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک روز حضرت عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ "اے عثمانؓ! اگر خدا تم کو اس اُمت پر خلیفہ مقرر کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ خدا کے پہنائے ہوئے کرتے کو اُتارو تو تم اُس کو ہرگز نہ اُتارنا" ——— حضورؐ نے تین بار تاکید فرمائی۔ چنانچہ عین شہادت کے دن جب بلوائیوں کی طرف سے اُشتر نے حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بنا لو ورنہ وہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ تو حضرت عثمانؓ نے جواب

دیا کہ "مَیں خلافت نہیں چھوڑ سکتا۔ رسول اللہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جس جامہ کو خدا مجھے پہنائے گا، مَیں اُس کو کبھی نہیں اُتاروں گا"۔ حضرت عائشہؓ سے ابنِ ماجہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ نے مرض الموت میں ایک وقت صرف حضرت عثمانؓ کو خلیہ میں بلا کر اُن سے کچھ باتیں کیں اور حضرت عثمانؓ کا چہرہ متغیّر ہوتا چلا گیا ـــــ حضرت عثمانؓ کے غلام ابو سہلہ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے حضرت عثمانؓ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ مَیں صابر رہوں۔

وقتِ آخر

اس کامل الحیاء والایمان کے اعطاء اور تُقٰی کی عین شہادت کے دن والی شان دیکھئے۔ اُس وقت بیس غلام پاس تھے، اُن سب کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ میرا تو آخری وقت آ گیا ہے۔ ساری عمر کبھی شلوار نہیں پہنی تھی، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ وقت قریب ہے تو اس خیال سے کہ مبادا اس ہنگامے میں عُریاں ہو جاؤں، شلوار منگائی اور پہنی۔ روایت میں الفاظ آئے ہیں کہ: "وَشَدَّهَا" کہ اُس کو خوب کس کر باندھا، تاکہ شہید ہونے کے بعد ستر نہ کھلنے پائے۔ اس موقع پر "اَکْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ" رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمائے ہوئے الفاظ کو کہیں بٹہ نہ لگ جائے۔ شلوار پہنی ہے اور پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خونِ عثمانؓ کا پہلا قطرہ سورۂ بقرہ کی اس آیت پر گرا "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" (اُن کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے) ـــــ اِس طرح وہ پیشینگوئی پُوری ہوئی جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ "مَیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بیٹھا تھا، اتنے میں عثمانؓ آئے۔ آپؐ نے فرمایا، اے عثمانؓ! تم سورۂ بقرہ پڑھتے ہوئے شہید کیے جاؤ گے اور تمہارے خون کا قطرہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا۔ تم پر اہلِ مشرق و مغرب یورش کریں گے اور ربیعہ و مضر (دو قبیلے) کے لوگوں کے برابر تمہاری شفاعت قبول ہو گی اور تم قیامت میں بے کسوں کے سردار بنا کر اُٹھائے جاؤ گے"۔

نبی اکرمؐ کی دُوسری پیشین گوئیاں

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ: "نبی اکرمؐ نے (جب کہ ایک مرتبہ آپؐ باغ میں تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف لا چکے تھے تو) تیسری بار دروازے پر دستک سُن کر مجھے فرمایا کہ عثمانؓ کے واسطے دروازہ کھول دو اور اُن کو

ایک بلوے میں صابر رہنے پر جنّت کی خوشخبری سناؤ" ـــــــ حضرت کعبؓ بن عجرہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ : "ایک دن رسول اللہؐ نے فتنوں کا ذکر کیا اور اُن کا قریب ہونا بیان کیا۔ اتنے میں ایک آدمی اپنا سر لپیٹے ہوئے نکلا، جس سے اُس کا مُنہ چھپا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ اُس دن حق پر ہوگا۔ مَیں نے کُود کر اُس شخص کے ہاتھ پکڑ لیے اور اُس کا چہرہ کھول کر حضورؐ کی طرف کرتے ہوئے عرض کیا، کیا یہی۔ آپؐ نے جواب فرمایا ہاں یہی ـــــــ یہ شخص حضرت عثمان رضؓ تھے" امام ترمذی نے بھی اِس کو بیان کیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ زرارہؓ بن نخعی نے نبی اکرمؐ سے اپنا خواب بیان کیا کہ : "مَیں نے دیکھا کہ ایک آگ نکلی اور میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آگ وہ فتنہ ہے جو میرے بعد ہوگا۔ لوگوں نے دریافت کیا، یارسول اللہ! فتنہ کیسا؟ حضورؐ نے فرمایا آگ وہ فتنہ ہے جس میں لوگ اپنے امام کو قتل کر ڈالیں گے، جس کے بعد آپس میں خوب لڑیں گے، مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک پانی کی طرح خوشگوار ہوگا، بُرائی کرنے والا اپنے آپ کو نیک گمان کرے گا" اس ارشاد میں "امام" سے حضرت عثمانؓ مراد ہیں۔ چونکہ اُن کی شہادت کے بعد ہی مسلمانوں میں آپس میں خوں ریزی ہوئی ـــــــ ترمذی میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس موقع پر حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اُس میں یہ مظلوم شہید ہوں گے" حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ "مَیں نے رسول اللہؐ سے سُنا آپؐ فرماتے تھے کہ عنقریب فتنہ واختلاف ہوگا۔ ہم نے کہا آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ امین یعنی عثمانؓ اور اُن کے اصحاب کا ساتھ اختیار کرو"

شہادتِ عثمانؓ پر صحابہؓ کے تاثرات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہادتِ عثمانؓ سے قبل وفات پاچکے تھے لیکن اُن کے غلام ابوسعید سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم اگر لوگ عثمانؓ کو شہید کردیں گے تو اُن کا جانشین نہیں ملے گا" حضرت سعیدؓ بن زید نے (جو ازعشرہ مبشرہ) شہادتِ عثمانؓ کے بعد کہا : "اگر تمہارے اِس معاملہ سے جو تم نے عثمانؓ کے ساتھ کیا ہے، خدا کا عرش اپنی جگہ سے ہل جاتا تو بعید نہیں تھا" ـــــــ عالِم اوّلین و آخرین یعنی حضرت عبداللہؓ بن سلام کہا کرتے تھے کہ : "لوگوں نے عثمانؓ کو قتل کر کے اپنے اوپر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو قیامت تک بند نہ ہوگا۔ اب جو تلواریں کھنچ گئی ہیں وہ

قیامت تک میان میں بند نہ ہوں گی"۔۔۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حسرت سے کہا کرتی تھیں کہ "باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے اور خدا سے ڈرنے والے تھے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک قول مروی ہے۔۔۔۔۔ محمد بن حاطب سے روایت ہے کہ کوفہ میں ایک مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنوں کی پاسداری کی اور بری طرح حکومت کی اور لوگوں نے اُن سے بدلا لیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جب عنقریب حاکم عادل کے پاس جائیں گے تو وہ ان کا فیصلہ کر دے گا، ان کے لیے آگ ہو گی"۔

محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر مجھ سے کہا کہ: "اے محمد بن حاطب! جب تم مدینہ جاؤ اور لوگ تم سے عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت دریافت کریں تو کہنا کہ خدا کی قسم وہ اُن لوگوں میں سے تھے جن کی قرآن نے یہ صفت بیان کی ہے: إِذَا مَا اتَّقَوا وَّ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّ آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّ أَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا، ایمان لائے اور عمل صالح کیا، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور خوبی کے ساتھ اُس کا حق ادا کیا اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے)

۔۔۔۔۔ روایات میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپ نے ابان کو مخاطب کر کے کہا: "میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:- وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۝ (اُن کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اُسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔)

مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ: "یا الٰہی! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن میرے ہوش اُڑ گئے تھے"۔۔۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ: "لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد مجھ سے بیعت کرنی چاہی، میں نے کہا بخدا مجھے ان لوگوں سے بیعت لیتے شرم آتی ہے جنھوں نے اُس شخص کو قتل کر ڈالا جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا میں اُس سے شرم نہ کروں، جس سے ملائکہ شرم کرتے ہیں، پس میں بھی خدا سے شرم کرتا ہوں لوگ چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو گئے اور اُمت بغیر خلیفہ کے رہ گئی۔ اہل مدینہ نے پھر بیعت کے لیے اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی اور اُس وقت میں نے کہا اے اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ مجھ سے

لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جا"۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے شہادتِ عثمانؓ کے بعد کہا کہ "خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ بخدا اب قریش میں اس کثرت سے موت اور قتل واقع ہوگا کہ اگر کوئی ہرن اپنے مسکن میں جائے گا تو وہاں بھی کسی قرشی کے جوتے پڑے ملیں گے"۔۔۔ حبر الامۃ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ "اگر سب لوگ قتلِ عثمانؓ پر متفق ہو جاتے تو اُن پر مثلِ قوم لوط پتھر برستے"۔۔۔ حضرت حمادؒ بن سلمہ کہا کرتے تھے کہ "عثمانؓ جس دن خلیفہ بنائے گئے اُس دن وہ سب سے افضل تھے اور جس روز شہید کیے گئے اُس دن وہ خلافت والے دن سے بھی زیادہ اشرف تھے۔ ان سے زیادہ افضل و اشرف رُوئے زمین پر کوئی نہیں تھا اور مُصحف کے بارے میں وہ ویسے ہی سخت تھے جیسے ابوبکرؓ قتالِ مُرتدین اور مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں شدید تھے"۔ حضرت ابن عمرؓ شہادتِ عثمانؓ پر اتنے دل گرفتہ اور آزُردہ خاطر تھے کہ اُنہوں نے لوگوں سے ملنا جُلنا ترک کر دیا تھا۔ اُن سے مروی ہے کہ شہادت کے دن عثمانؓ صبح اُٹھے تو کہا کہ "میں نے آج رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپؐ نے فرمایا اے عثمانؓ! آج تم روزہ میرے ساتھ افطار کرو"۔۔۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے دن روزے کی حالت میں حضرت عثمانؓ شہید ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ!

قاتلانِ عثمانؓ میں سے چند کا عبرت ناک انجام

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ "میں نے شام کے بازار میں ایک آدمی کی آواز سُنی جو "آگ آگ" چیخ رہا تھا۔ میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ٹخنوں سے کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں سے اندھا منہ کے بل زمین پر پڑا گھسٹ رہا ہے۔ اور "آگ آگ" چیخ رہا ہے۔ میں نے اُس سے حال دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو عثمانؓ کے گھر گھسے تھے۔ جب میں اُن کے قریب گیا تو اُن کی اہلیہ چیخنے لگیں، میں نے اُن کے طمانچہ مارا۔ عثمانؓ نے کہا! تجھے کیا ہو گیا ہے عورت پر ناحق ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے! تیری دونوں آنکھوں کو اندھا کرے اور تجھے آگ میں ڈالے۔ مجھے بہت خوف معلوم ہوا اور میں نکل بھاگا۔ اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو، صرف آگ کی بددُعا باقی رہ گئی ہے"۔۔۔ نافع سے مروی ہے کہ "ایک بلوائی نے شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ کا عصا لے کر اُس کو اپنے گھٹنے سے

توڑ ڈالا تھا، اُس کی پوری ٹانگ گل گئی"۔۔۔ یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ "جو لوگ حضرت عثمانؓ پر چڑھائی کر کے گئے تھے اُن میں سے اکثر پاگل ہو کر مرے"۔۔۔ واقعاتِ اسرارِ نبوی یعنی حضرتِ حذیفہؓ بن یمان کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ: "جب بلوائی حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے تو لوگ اُن کے پاس آئے اور کہا کہ بلوائی حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف گئے ہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا بخدا یہ لوگ اُن کو شہید کر دیں گے۔ لوگوں نے پوچھا شہید ہونے کے بعد کیا ہوگا۔ اُنہوں نے کہا بخدا عثمانؓ جنت میں جائیں گے اور اُن کے قاتلین کے لیے خدا کی قسم دوزخ ہے، جس سے کسی طور اُن کو چھٹکارا نہیں ملے گا"۔

حضرتِ حسنؓ بن علیؓ کا خواب

روایات میں آتا ہے کہ حضرتِ حسنؓ بن علیؓ (جن کو بلوائیوں نے زخمی کر دیا تھا جب وہ حضرتِ عثمانؓ کو محاصرے کی حالت میں پانی پہنچانا چاہتے تھے) حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں خطبہ بیان کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اِس خطبے میں اُنہوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا۔۔۔ اس خواب سے معلوم ہوگا کہ اس عالمِ اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے، اُس کی ایک ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے۔۔۔ اِس طرف میں پہلے بھی چند اشارات کر چکا ہوں۔۔۔ حضرتِ حسنؓ نے فرمایا: "لوگو! میں نے کل رات ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ پروردگارِ کائنات اپنے عرش پر متمکن ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے ہیں اور حضورؐ کے شانہ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرتِ عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آتے ہیں اور وہ حضرتِ ابو بکرؓ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔۔۔ پھر اچانک حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں اس عدالت میں آتے ہیں کہ اُن کا کٹا ہوا سر اُن کے ہاتھوں میں رکھا ہوتا ہے اور وہ اللہ عزّ وجلّ کی بارگاہ میں فریاد کناں ہوتے ہیں کہ اے پروردگار! اپنے ان بندوں سے جو تیرے آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور جو خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ اُن سے پوچھا تو جائے کہ مجھ کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا، شہید کیا گیا۔۔۔ (بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَ) میرا آخر کیا گناہ تھا، کون سا جرم تھا جس کے بدلے میں میرا سر کاٹا گیا"۔ اِس کے بعد حضرتِ حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ: "عثمانؓ کی اِس فریاد پر میں نے دیکھا کہ عرشِ الٰہی تھرتھرایا

اور آسمان سے خون کے دو پرنالے جاری کر دیئے گئے جو زمین پر خون برسانے لگے"۔ حضرت حسنؓ کے اس بیان کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ سے (جو اس خطبہ کے وقت موجود تھے) شکایتاً کہا کہ آپ نے سُنا، حسنؓ کیا بیان کر رہے ہیں؟ چونکہ یہ خواب تو حضرت عثمانؓ کی مظلومیت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر رہا تھا ــــ قاتلانِ عثمانؓ کیسے گوارا کرتے ــــ حضرت علیؓ نے جواب میں کہا کہ حسنؓ وہی بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے"۔ ــــ

میں کہتا ہوں کہ یہ خون کے دو پرنالے درحقیقت جنگِ جمل اور جنگِ صفین تھیں۔ یہ قتلِ عثمانؓ پر اللہ کے غضب کی نشانیاں تھیں جس کی خبر عبداللہ بن سلامؓ پہلے دے چکے تھے جو میں پہلے بیان کر چکا کہ "کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد ستر ہزار لوگ ضرور قتل ہوئے۔ کسی نبی کا کوئی خلیفہ شہید نہیں کیا گیا مگر اُس کے بعد پینتیس ہزار لوگ مقتول ہوئے۔ لیکن یہاں معاملہ چوراسی ہزار کا ہے جو ان دونوں جنگوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل اور شہید ہوئے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زوال و المناک انجام پر کہا تھا کہ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ــــ بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنین!

یہاں مستعصم کی جگہ حضرت عثمانؓ امیر المومنین کا نام رکھ لیجیے تو حضرت حسنؓ کے خواب کی تعبیر اس شعر میں آپ کو نظر آجائے گی۔ درحقیقت آسمان سے جو خون کے دو پرنالے جاری ہوئے وہ شہیدِ مظلوم عثمانؓ بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خونِ ناحق پر اللہ کے غضب کی علامت تھے جو جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت عثمان ذُوالنّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ــــ

۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ

دینی جدّوجہد اور اس کا طریق کار (بقیہ از صـ۳۲)

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ حضرت سعدؓ کے ہاتھوں سے علَم لے کر اُن کے صاحبزادے کو دے دیا۔

قرآن مجید اور کتبِ احادیث میں ایسے کئی اور واقعات بھی آئے ہیں۔ لیکن یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ قصور پر مطلع کر دینے یا خود ہی اس کا اعتراف کر لینے سے نہ تو اُن بزرگوں کے تقدّس اور رتبہ ہی میں مثقال برابر کمی آئی اور نہ اُن کی قیادت میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکوں کو کچھ نقصان پہنچا۔

ج، م

آخری قسط

روداد تاسیسی اجلاس

تنظیم اسلامی

منعقدہ ۲۷ - ۲۸ / مارچ ۱۹۷۵ء

۲۷ / مارچ ۱۹۷۵ء کی دو نشستوں میں 'تنظیم اسلامی' کی قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات نیز 'تنظیم اسلامی' کے اساسی معتقدات و نظریات اور شرائط شمولیت کی منظوری کے مراحل بحمداللہ بحُسن و خوبی طے ہو چکے تھے۔ ۲۸ / مارچ کو جمعہ کی نماز کے بعد اس اساسی اجلاس کی تیسری نشست منعقد ہوئی، جس میں تہتّر (۷۳) حضرات نے شرکت فرمائی۔ اس نشست کی کارروائی کا ڈاکٹر صاحب نے خُطبۂ مسنونہ کے ساتھ آغاز کیا اور فرمایا:-

"مَیں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے چند دوست آج کے اِس اجتماع میں شریک نہیں ہیں۔ مجھے اُن کے متعلق یہ حُسنِ ظن ہے کہ اُن کی عدمِ شرکت کسی مجبوری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ اِس کو لازماً عدمِ اعتماد پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ توقّع ہے کہ اِنْ شاءاللہ جلد یا بدیر وہ ہمارے قافلے میں شامل ہوں گے۔ مجھے اچانک حضرت مسیح علیہ السّلام کا قول یاد آگیا۔ آنجنابؑ نے فرمایا تھا کہ: "کتنے بعد میں آنے والے پہلے آنے والوں سے آگے ہوں گے"۔ ہم بھی یہی اُمید رکھتے ہیں"۔

اِن ابتدائی کلمات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اِن اُمُور کا اعادہ کیا جو پہلے بیان کئے جا چکے تھے۔ تاکہ تنظیم کی رفاقت اختیار کرنے والوں کو پھر ایک بار یاددہانی ہو جائے۔ اِس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:-

"تنظیم کی رفاقت کے لیے جو شرائط ہم نے طے کی ہیں، اُن کے متعلق ایک اُصُولی بات اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ شرائط ہماری مقرر کردہ نہیں ہیں، بلکہ یہ ہمارے ایمان باللہ، ایمان بالرّسالت اور ایمان بالآخرت کے لوازم اور مقتضیات میں سے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ یہ وہ تقاضے اور مطالبے ہیں جو ہم سے ہمارا دین کرتا ہے اور تجدید احیائے دین کی جدّوجُہد اور نجاتِ اُخروی کے لیے اِن شرائط کو پُورا کرنا اور ان

پابندیوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ ہمارے دَور میں جو فتنے موجود ہیں، اُن سے محفوظ رہنے کی ہر ممکن احتیاط ہم نے اپنے اساسی نظریات میں ملحوظ رکھی ہے۔ بُت پرستی ہمارے معاشرے میں نہیں ہے البتّہ قبر پرستی ہمارے جُہلاء میں ہے، جس کو شرک سے مُماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے اِس دَور کا اصل فتنہ زر پرستی ہے۔ اِس فتنہ سے بچنے کی ہم اگر کوشش نہ کریں یا اس میں ڈھیل رکھیں تو پھر کسی نئی تنظیم اور جماعت کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی بہت سی تنظیمیں اور جماعتیں ملک میں پہلے سے موجود اور قائم ہیں۔ یہاں اِس وقت جو خلا ہے وہ ایسی تنظیم و جماعت کا فقدان ہے، جس کے رُفقاء میں یہ عزم و حوصلہ ہو کہ چاہے اُن کا کاروبار تباہ ہو جائے، اُن کی اعلیٰ ملازمت چھوٹ جائے اُن پر فقر و فاقہ کی نوبت آجائے۔ لیکن وہ اِن تمام خطرات و خدشات کے باوجود ایثار و قربانی اور توکّل علیَ اللّٰہ کا رَویّہ اختیار کریں گے اور دین کے احکام کو اپنے اوپر لازمی نافذ کریں گے اور اپنی اِس انفرادی و ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ وہ دعوت و تبلیغ اور اقامت و اظہارِ دین کے فریضہ کی انجام دہی میں لگ جائیں گے۔ اِسی میں ہماری دنیوی و اُخروی فلاح و کامرانی ہے۔ اگر کوئی ایسی تنظیم فی الواقع موجود ہوتی جو اپنے دستور، اساسی و نظریات سے لے کر اپنے طریق کار اور منہاج دعوت اصلاح تک میں ٹھیٹھ اسلامی اُصُولوں اور ضابطوں کی پابند ہوتی تو ہم ہرگز ایک نئی تنظیم بنانے کا فیصلہ نہ کرتے۔ لہٰذا جو بھی اِس تنظیم میں داخل ہونے کا فیصلہ کرے، اپنے ربّ کے اِس مطالبہ کو سامنے رکھ کر کرے :۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ط

رفیقو! حقیقت یہ ہے کہ ہماری دعوت کو سمجھنے کے لیے جتنے رفقاء ہمارے اِن تاسیسی اجتماعات میں شریک ہو رہے ہیں، اُن کی تعداد بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ کل ہم نے اپنے طور پر جب اندازہ کیا تھا تو وہ یہ تھا کہ کل نمازِ مغرب کے بعد والی نشست میں جتنے رفقاء نے شرکت کی تھی، اگر انکی نصف تعداد بھی آج کے اجتماع میں شرکت کے لیے آجائے تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ چونکہ تنظیم میں شمولیت اور اُس کی رفاقت کے لیے جو شرائط اور پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اُن کے پیشِ نظر گمان یہ تھا کہ اُن کو قبول کرنا آسان کام نہیں۔ لیکن یہ اللّٰہ ہی کا فضل و کرم ہے کہ اتنے حضرات نے ہمّت کی ہے اور وہ اللّٰہ کی توفیق و نصرت کے بھروسے پر اتنے بڑے فیصلے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ اِس موقع پر میں پھر

اِس بات کا اعادہ کروں گا کہ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ کوئی عام انجمن یا ادارہ نہیں ہے، جو ہم بنا رہے ہیں۔ جس نوع کی تنظیم ہم بنا رہے ہیں تو اس طرح کی تنظیمیں بہت دیر کے بعد بنا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے، ہمت دے، استقامت دے اور ہم اِس کام کو لے کر آگے چل سکیں تو اس طرح کے کام جو آغاز میں بڑے چھوٹے اور حقیر نظر آتے ہیں، بسا اوقات تاریخ ساز بھی ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس وقت اپنے غور و فکر کی سطح کو اس مقام پر رکھنا چاہیئے کہ اس کام کی عظمت ہی کی نسبت سے ہم پر ذمہ داریاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں اور اسی مناسبت سے سعی و کوشش اور ایثار و قربانی کے لیے ہمیں خود کو تیار کرنا ہے۔ بسا اوقات تنظیمیں صرف ایک ذہنی سہارا بھی بن جاتی ہیں۔ خود حضور نے تنبیہ فرمائی کہ "اے اہلِ قرآن! قرآن کو صرف ایک تکیہ اور سہارا نہ بنا لینا"۔ لہٰذا اس تنظیم کو ہم نے ایک ذہنی سہارا نہیں بنانا ہے بلکہ ارادہ یہ ہے ــــ اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمائے ــــ کہ اسے ایک فعّال دینی انقلابی تحریک بنانا ہے ــــ ایک دوست کی جن کی میرے دل میں بڑی قدر ہے، کچھ ہچکچاہٹ میرے سامنے آئی کہ چند نجی مسائل کے پیشِ نظر وہ کچھ توقّف کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں ــــ مجھے علیحدگی میں اُن سے گفتگو کا موقع نہیں ملا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض دوسرے رفقاء بھی تنظیم کی شرائطِ شمولیت کو سخت سمجھ کر ہچکچا رہے ہوں اور کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں۔ تو میں ایسے تمام رُفقاء سے کہتا ہوں کہ ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ دُنیا میں انسانوں کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے کہ جن کو نام کا بھی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ پھر جو نام کے مسلمان ہیں، اُن میں سے کتنے ہیں کہ جن کے اندر اپنی ذمہ داریوں کا شعور ہوا اور اُن میں یہ ارادہ یا یہ جذبہ اور اُمنگ پیدا ہو گئی ہو کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو کھپائیں، لگائیں اور دین کے صحیح مطالبے اور تقاضے پورا کرنے کی فکر کریں۔ ہمیں اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکر ادا کرنا چاہیئے اور خود کو بہت خوش نصیب سمجھنا چاہیئے کہ مختلف واسطوں اور ذریعوں سے ہمیں اپنے مسلمان ہونے کا اور اس مسلمان ہونے کی ذمہ داریوں کا شعور حاصل ہوا۔ اِس میں بھی ہمارے اکتساب کو اور ہماری کوشش کو دخل نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے۔ چاہے ہم اس کو "اتفاق" سے تعبیر کریں۔ اگر کسی شخص کی رہنمائی کے لیے ایک درسِ قرآن ہی ذریعہ بنا ہے تو آپ

سوچیے کہ کتنے لوگ عین دیوار بیچ ایسے رہتے ہوں گے کہ سالوں سے وہاں درس ہوتا ہو لیکن وہ کبھی اُس میں شریک نہیں ہوتے، حالانکہ فاصلہ کچھ نہیں۔ اس کے برعکس ایک شخص دُور دراز سے آتا ہے "اتفاق" سے ایک درس میں ایک بات سنتا ہے اور وہ بات اُس کے دل میں جا کر ایسے لگتی اور اُترتی ہے کہ اُس کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس میں فیصلہ کن چیز درس نہیں ہے یا اپنا ارادہ نہیں ہے بلکہ فیصلہ کن چیز وہ مواقع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے ہمیں عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا عام طور پر جس بات کو "اتفاق" کہا جاتا ہے، مَیں اُسے توفیقِ الٰہی کہتا ہوں۔ مَیں خود جب اپنے ماضی پر غور کرتا ہوں کہ میرا اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعتِ اسلامی سے وابستہ ہو جانا محض اتفاقی امر نہیں اس میں آخر کتنا دخل ہوگا میرے ارادے کو اور کتنا دخل ہوگا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو۔۔۔۔
اسی طرح بچپن میں علامہ اقبال کی اسلامی شاعری سے متأثر ہونا اور دل میں اسلام کی "نشأۃِ ثانیہ" کے جذبہ کا پرورش پانا بھی اتفاقی نہیں ہوسکتا۔ اس میں اللہ کی حکمت اور اُس کا فیصلہ ہی مؤثرِ حقیقی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے معاملات میں ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ اللہ ہی کے فیصلوں کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ بات مَیں نے مثالاً عرض کی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اپنے ماضی کا جائزہ لے کر غور کرے کہ اس راہِ حق کی راہ یابی میں اُس کے ارادہ اور کوشش کا کتنا دخل ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا کتنا دخل ہے، تو وہ میرے اس کہنے کا مطلب پالے گا۔ آخر ہمارے کتنے بھائی بند ہیں، ہمارے عزیز و اقربا ہیں، جن میں ایسے بھی ہیں جو ہم سے کہیں زیادہ قوی اور مضبوط دینی پس منظر رکھتے ہوں گے۔ لیکن آج ان کو کوئی خیال اور دھیان ہی نہیں ہے کہ اُن کی دینی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ انہیں دنیوی مشاغل ہی سے فرصت نہیں ہے کہ وہ ان مسائل پر غور و فکر کریں لہٰذا اس دعوت کے ساتھ ہمیں تعارف کا جو موقع ملا ہے تو یہ اللہ کا فضل اور اُس کا عطیہ ہے۔ اب اس فضل، نعمت اور توفیق کی بڑی ناقدری ہو گی۔ اگر کسی چھوٹے سے بندھن اور حقیر سی دُنیوی رکاوٹ کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان اور انعام سے خود کو محروم رکھیں۔ پھر یہ چھوٹے سے چھوٹے بندھن اور موانع بسا اوقات انسان کو پہاڑ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ الفاظ جو انہوں نے اپنے حواریّین یا انصار سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے، ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں کہ "کیوں خوف کرتے ہو کہ کیا

کھاؤ گے اور کیا پیو گے ؟ جنگل کی چڑیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ نہ کھیت بوتی ہیں نہ کاٹتی ہیں نہ کھتّوں میں بھرتی ہیں۔ پھر بھی وہ جب صبح کو نکلتی ہیں تو شام کو سیر ہو کر اپنے گھونسلوں میں واپس آتی ہیں ۔۔۔ اور تم کیوں فکر کرتے ہو کہ کیا پہنو گے ؟ جنگل کی سوسن کو نہیں دیکھتے کہ وہ نہ بوتی ہے ، نہ کاتتی ہے ، نہ سیتی ہے ، نہ پروتی ہے۔ پھر بھی مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جیسا خوش نما لباس اللہ نے اُس کو عطا کیا ہے ، سلیمانؑ بھی اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود اس طرح ملبوس نہ تھا ۔۔۔ تو جو اللہ جنگل کی چڑیوں کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جو اللہ جنگل کی گھاس کے لیے جو آج ہے کل آگ میں جھونک دی جائے گی ، اس کی نشوونما کا سامان فراہم کر رہا ہے ، تو کیا وہ تم ہی کو بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ دے گا“ ۔۔۔

پس یہ چیزیں انسان کو پہاڑ نظر آتی ہیں اگر وہ ان کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دے لیکن اگر نگاہ کو ذرا وسیع کرے تو یہ سب موانع ہیچ نظر آنے لگیں گے۔ ہماری اولاد ہے ، ہم اُس کے رازق نہیں ، رازقِ حقیقی اللہ ہے۔ دینی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی پرورش کے لیے معاش کی کچھ محنت و کوشش کرنا ہم پر ضرور عاید کیا گیا ہے چونکہ وہ اللہ کی امانت ہے جو ہماری تحویل میں دی گئی ہے لیکن اگر ہم اس مغالطہ میں مبتلا ہو جائیں کہ ہماری تدبیروں سے ، ہماری کوششوں سے ، ہماری اسکیموں سے ہی ان کی پرورش ہوتی ہے تو یہ شیطان کا فریب ہے۔ اُس کا یہ طلسم ہمیں توڑنے کی ہمیں فکر کرنی چاہیے۔

رفیقو ! جس مہتم بالشان کام کے لیے ہم ایک تنظیم بنا رہے ہیں ، اس کے لیے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا رجوع ہونا میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا ، مَیں نے قرآن کانفرنس کے آخری اجلاس میں بھی برملا کہا تھا کہ اگر میری اس تقریر سے کسی کے دل میں فوری طور پر کوئی جذبہ ابھر آیا ہو تو ایسے ہنگامی مجنونوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا خطاب ہی اُن سے نہیں تھا ، میرا خطاب تو ان سے ہے جو ایک عرصہ سے مجھ سے واقف ہیں۔ ایک دعوت ان کے سامنے مختلف اسالیب اور پیرایوں سے آئی ہے ، مدلّل ہو کر آئی ہے۔ انہوں نے سورۂ صف پڑھی ہے ، سورۂ حدید پڑھی ہے ، سورۂ جمعہ پڑھی ہے ، سورۂ حج کا آخری رکوع پڑھا ہے۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت ہے کیا ؟ وہی دراصل میری سیرت والی تقریر کے مخاطب تھے۔ باقی رہ گیا یہ کہ ایک زوردار تقریر کی جائے۔ جذبات کو انگیز کیا جائے اور اسلام کے لیے

سرفروشوں کا ایک جلوس نکلوا دیا جائے تو ایسے کام ہرگز پیشِ نظر نہیں ہیں اور نہ ہوں گے ــــــ اس طرح کے جذبات جس تیزی کے ساتھ ابھرتے ہیں، اتنی ہی تیزی کے ساتھ بیٹھ بھی جاتے ہیں۔ ان کا حال جھاگ کے مانند ہوتا ہے کہ جس میں کوئی پائیداری اور استقامت نہیں چنانچہ اسی لیے میں نئے والوں سے کل کی دونوں نشستوں میں کہتا رہا ہوں کہ نئے حضرات جن کو ابھی انشراحِ صدر حاصل نہ ہوا ہو، توقف کریں، سوچیں، غور و فکر کریں۔ اور جب مطمئن ہو جائیں تو ایک عزمِ مصمم کے ساتھ پیش قدمی کریں۔ چند دن کی تاخیر سے کوئی حرج واقع نہیں ہو گا۔ یہ بھی جناب مسیح علیہ السلام ہی کے الفاظ ہیں کہ "کتنے ہی وہ ہیں جو بعد میں آئیں گے لیکن پہلے آنے والوں سے بھی آگے نکل جائیں گے"۔ یہ تو اپنی اپنی رفتار ہے، اپنا اپنا جذبہ اور شوق ہے۔ چنانچہ آج پھر میں ایسے حضرات سے جو ہم سے نئے نئے واقف ہوئے ہوں اور جو اس اجتماع میں شریک ہوں، کہتا ہوں ــــــ کہ وہ عجلت نہ کریں۔ اگر مزید غور و فکر اور افہام و تفہیم کرنا چاہتے ہوں تو یہ ان کے حق میں اور تنظیم کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بات جس شدت کے ساتھ میں نئے لوگوں سے کہتا ہوں اسی شدت کے ساتھ میں اپنے پرانے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ توقف نہ کریں۔ اس لیے کہ میرے نزدیک ان کے لیے یہ توقف شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر انہیں اس وقت شیطان نے التواء اور توقف کے چکر میں ڈال دیا تو اس چکر سے نکلنا ان کے لیے آسان نہیں ہو گا۔ یہ مرحلے زندگی میں روز روز نہیں آیا کرتے۔ ایسے مواقع پر "ہرچہ بادا باد" کا وطیرہ اختیار نہ کیا جائے تو پھر شیطان کو طرح طرح کی تھپکیاں اور جھوٹی تسلیاں دے دے کر اور خطرات کا ڈراوا دے دے کر سلانا اور الجھانا خوب آتا ہے۔ جن پر بات واضح ہو اور جن کو مجھ پر اعتماد بھی ہو، ان کو ہرگز توقف نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ جن رفقاء کو ان دونوں امور میں یا کسی ایک میں ابھی تردد ہو ان کی بات دوسری ہے۔ وہ توقف کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ لیکن جن کو بحمداللہ ان دونوں باتوں میں سے کسی میں بھی تردد لاحق نہیں ہے اُن کے لیے توقف انتہائی مہلک ہو سکتا ہے۔

"رفیقو! یہ خیال کرنا کہ فلاں پابندی چونکہ نہ قرآن نے لگائی نہ حدیث نے لگائی تو ہم وہ پابندی کیسے لگا دیں؟ تو یہ خیال ایک بنیادی بات کو اچھی طرح نہ سمجھ لینے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ بنیادی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ خود اپنی ذاتِ گرامی کے لحاظ سے الجماعت تھے اور جو بھی مسلمان تھا وہ آپؐ سے متعلق تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے پابندیاں وہی عاید فرمائیں جو فرائضِ دینی کا مقام رکھتی تھیں۔ باقی حضورؐ نے اپنے اسوۂ

حسنہ اور تعلیم و تلقین سے ایثار و قربانی کا وہ جذبہ پیدا فرمایا کہ جس کے نتیجے میں وہ وقت بھی آیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا کل اثاثہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا نصف اثاثہ حضورؐ کے قدموں میں لاڈالا ایک صحابیؓ نے رات بھر یہودی کے باغ کو پانی دیا اور اُجرت میں ملنے والی مٹھی بھر کھجوریں راہِ حق میں پیش کر دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ کی عام دعوتِ انفاق کے جواب میں تین بار سو سو کر کے تین سو اونٹ غزوۂ تبوک کے لیے پیش کیے اور ایک ہزار اشرفیاں لاکر حضورؐ کی گود میں ڈال دیں۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا سب کچھ دینا چاہتے تھے۔ لیکن حضورؐ نے وہ قبول نہیں فرمایا۔ نصف دینا چاہا تو وہ بھی قبول نہ فرمایا، ثلث پر حضورؐ راضی ہوئے۔ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ جہاں تک اسلامی جماعت کا یعنی الجماعۃ کا تعلق ہے تو وہ مقام بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ مسلمہ کو حاصل ہے۔ اِس اُمّتِ مسلمہ میں سے ہم ایک جماعت بنا رہے ہیں اور اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کر رہے ہیں کہ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" لہٰذا اس الجماعۃ میں سے ایک چھوٹی سی جماعت دعوت اِلَی الخیر کے لیے بن رہی ہے۔ چونکہ اُمّت بحیثیتِ مجموعی اپنا یہ فرض بھول چکی ہے۔ اُسے یاد ہی نہیں کہ اُسے کس مقصد کے لیے برپا کیا گیا تھا لہٰذا وہ اس مقصد کے لیے ایثار و قربانی کرے تو کیسے کرے؟ اب جو جماعت اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے بن رہی ہے اور اُسے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدّوجُہد کرنی ہے، ایثار کرنا ہے، قربانی دینی ہے تو ایسی جماعت کو اس کام کی انجام دہی کے لیے چند اضافی پابندیاں لگانی پڑیں گی۔ مثال کے طور پر آپ نے اپنی تنظیم کے رفقاء کے لیے یہ پابندی لگانی طے کی ہے کہ وہ ہفتہ واری اجتماعات میں لازماً شرکت کریں اِلّا آنکہ ان کو کوئی عذرِ شرعی لاحق ہو۔ اب اگر کوئی مستقل طور پر ان اجتماعات میں شرکت نہیں کرتا یا گنڈے دار شرکت کرتا ہے تو آپ حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ نظم کی پابندی نہیں کر رہا یا یہ کہ اُس کی اس کام سے دلچسپی کم ہو گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بس آپ نے یہ جو اضافی پابندی لگائی یہ بھی تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عائد شدہ نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تو ہفتہ وار اجتماع جمعہ ہے، ہفتہ وار اجتماع وہاں بھی ہے، ہر نائبِ رسول کو سُنّت کے مطابق وہی عمل دُہرانا چاہیے کہ :- يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ یہ اور بات ہے کہ ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ سب کچھ ہوگا مگر اسی سُنّت پر عمل نہیں ہوگا اور یہ جمعہ ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ!

بہرحال ہم نے رفقاء کے لیے ہفتہ واری اجتماعات میں لازمی شرکت کی ایک اضافی پابندی عاید کرنے کا جو فیصلہ کیا ہے تو اسی پر عُشر کی حد تک اعانت کے معاملہ کو قیاس کر لیجیے۔ حالانکہ ہم نے اس کو لازم نہیں کیا، اسے ہر رفیق کی صوابدید اور اس کے جذبۂ انفاق پر چھوڑا ہے۔ ایسی پابندیاں دراصل تنظیم کے نظم اور ڈسپلن سے تعلق رکھتی ہیں جنھیں ہم اپنی رضا اور مرضی سے عاید کرتے اور قبول کرتے ہیں۔ پھر چونکہ اس تنظیم میں شامل ہونا کسی بھی مسلمان کے لیے اس کے مسلمان ہونے کی شرط لازم نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ شعوری طور پر اس نظم کو قبول کریں ان کے لیے ہم اضافی پابندیاں لگا سکتے ہیں، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ ہاں اگر ہمارا کوئی رفیق اس پوزیشن میں نہ ہو تو اس کی اعانت اس تنظیم کے ذمہ ہوگی، کجا یہ کہ ہم اس سے اعانت کا مطالبہ کریں۔ البتہ اگر کسی رفیق کو جو کچھ بھی اپنے طور پر معاش کے لیے حاصل ہو اس میں سے وہ کوشش کرے کہ عُشر کی حد تک تنظیم کو ادا کرے تو انشاء اللہ یہ ایثار خدا کے ہاں انفاق فی سبیل اللہ میں شمار ہوگا۔ یہ بات پیشِ نظر رکھیے کہ قرآن مجید میں مالی ایثار، جسمانی ایثار پر ہر مقام پر مقدم کیا گیا ہے، جیسے فرمایا: ۔ وَجٰهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ

نمازِ مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب سمیت کل ۱۷ حضرات نے تاسیسی اجلاس کی آخری نشست میں شرکت کی۔ ایک صاحب نمازِ مغرب سے قبل عہدِ رفاقت قبول کر کے سکھر روانگی کے لیے تشریف لے جا چکے تھے ــــ گویا تنظیم اسلامی، کا قافلہ اس موقع پر باسٹھ (۶۲) رفقاء کی شمولیت سے ترتیب پایا: اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

اس آخری نشست کا مرکزی انجمن خدام القرآن کے دفتر کی کھلی چھت پر آغاز ہوا۔ اُوپر نیلے اور صاف و شفاف آسمان پر چودھویں ربیع الاوّل کا چاند روشن تھا۔ تمام شرکاء کے چہروں پر ایک پُروقار سنجیدگی اور ایک عزمِ مصمم کی کیفیت طاری تھی۔ اِن شریک ہونے والوں میں تاجر بھی تھے، ملازمت پیشہ بھی، پروفیسرز تھے، طلبہ بھی، ڈاکٹرز بھی، انجینئرز بھی اور عام پڑھے لکھے افراد بھی۔ غرضیکہ ہر WALK OF LIFE کے لوگ شامل تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے چہرے

پر فرض کی ذمّہ داری کے احساس کے ساتھ متانت اور مسرّت کے ملے جُلے جذبات ہویدا تھے۔ اُن کی آواز میں خفیف سا ارتعاش تھا۔ اُن کی ظاہری کیفیت سے معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے دل میں جذبات کا سمندر کروٹیں لے رہا ہے، لیکن اُن کے اُسلوبِ بیان میں ٹھہراؤ تھا اور وہ انتہائی دھیمے مگر پُرتاثیر لہجے میں رُفقاء سے یوں مخاطب ہوئے :-

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ "

رفیقو! سارا شکر، ساری تعریف، سارا سپاس اُس اللہ ہی کو سزاوار ہے کہ جس نے راہِ حق کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور ہم ہرگز راہ یاب نہ ہوتے اگر وہی اپنے کرم سے ہماری دستگیری نہ فرماتا۔ مجھے ہرگز توقع نہ تھی کہ مجھ جیسی شخصیت کی خشک دعوت، اور جھڑکنے اور جھٹکنے والے انداز کے باوجود اللہ کے اتنے مخلص بندے 'تنظیمِ اسلامی' کی رفاقت کے لیے جمع ہوجائیں گے۔ اِس دعوت اِلَی اللہ سے واقف ہونے سے قبل ہم میں سے اکثر کی دوسروں سے شناسائی نہیں تھی۔ ہم ایک دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے ہماری دوستیاں اور قرابت داریاں بھی نہیں تھیں۔ ہم جمع ہوئے ہیں تو دعوت اِلَی اللہ پر، کوئی دُنیوی غرض ہمارے پیشِ نظر نہیں۔ کسی قسم کی سیاست بازی ہمیں مطلوب نہیں۔ دینی، سیاسی اور سماجی جماعتوں کی طرح ہماری اِس تنظیم میں نہ عہدے ہیں، نہ ووٹ ہیں، نہ مجلسِ شوریٰ کی رُکنیت کے مواقع ہیں نہ مجلسِ انتظامیہ کے، نہ شہرت کے حصُول کا کوئی موقع ہے نہ وجاہت کا۔ ہم خالصتاً لِلّٰہ اور فی اللہ جمع ہوئے ہیں۔ اللہ ہی کے لیے ہمارا جُڑنا ہے اور جس سے بھی ہم آئندہ جُڑیں گے، اللہ ہی کے لیے جڑیں گے۔ جس سے ہم اس وقت کٹ رہے ہیں اللہ ہی کے لیے کٹ رہے ہیں اور آئندہ جس سے کٹیں گے' اللہ ہی کے لیے کٹیں گے۔ جو کچھ ہم نے تنظیم کو مالی اعانت ادا کرنے کا ارادہ کیا ہے' وہ اللہ کے لیے کیا ہے اور جو کچھ کسی کو دیں گے' اللہ ہی کے لیے دیں گے۔ ہمارا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، اِس کے سوا کچھ نہیں! مَیں خدا کو حاضر ناظر جان کر اور اُسے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اِس دعوت اور تنظیم قائم کرنے میں فرض کی ادائیگی کی ذمّہ داری اور رضائے الٰہی کے حصُول کے سوا اور کوئی غرض میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔ چنانچہ پُورے احساسِ ذمّہ داری اور احساسِ مسئولیت کے ساتھ آپ سب کو گواہ بنا کر 'تنظیمِ اسلامی' کا عہدِ رفاقت اُٹھاتا ہوں

اس وقت پورے اجتماع پر ایک گمبھیر خاموشی طاری تھی، تمام رُفقاء کے چہرے تمتما رہے تھے اور اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ اُن کے دلوں میں جذبات کا طوفان اُٹھ رہا ہے، اور اُن کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں، جن کو وہ ضبط کئے بیٹھے ہیں۔ تعارف کی تکمیل کے بعد داعی عمومی نے عہد نامہ رفاقتِ 'تنظیم اسلامی' کی ایک شق کو پڑھنا شروع کیا اور تمام رفقاء اُس کو دُہراتے رہے۔ اِس موقع پر اکثر رفقاء کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں، اکثر کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ اللہ کے بندے رضائے الٰہی کے لیے دعوتِ تجدیدِ ایمان — توبہ اور تجدیدِ عہد کے قافلہ کے رفیق بن رہے تھے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ط

اس کے بعد نہایت الحاح وزاری اور خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزّت میں اجتماعی دُعا کی گئی۔ بعدہٗ عشاء کی نماز باجماعت ادا ہوئی اور اس طرح 'تنظیم اسلامی' کے تاسیسی اجلاس کی کاروائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اختتام پذیر ہوئی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

نوٹ:- 'تنظیم اسلامی' کا مکمل دستورِ اساسی ماہنامہ 'میثاق' کے اگست ۱۹۷۶ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے اور علیحدہ کتابی شکل میں بھی دستیاب ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شہرہ آفاق تفسیر "تدبّرِ قرآن"

کی جلد اوّل تا چہارم اسٹاک میں موجود ہیں۔ جلد اوّل اور جلد دوم کے نئے ایڈیشن طبع ہو کر آگئے ہیں

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن

۳۶-K ماڈل ٹاؤن لاہور

اطلاع

زیر دفعہ ۳ ش ، ک ، قواعد و ضوابط

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

کا پانچواں سالانہ اجلاس عام

ان شاءاللہ العزیز

بتاریخ ۲۱ اپریل بروز جمعرات صبح ۸ بجے انجمن کے رجسٹرڈ آفس واقع پلاٹ نمبر ۳۶ بلاک ، کے ، ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہو گا جس کا ایجنڈا حسب ذیل ہے

۱ - تلاوت کلام پاک
۲ - تقریر بعنوان ،، احیائے اسلام ، استحکام پاکستان اور انجمن خدام القرآن ،، - - - ڈاکٹر اسرار احمد ، صدر مؤسس
۳ - سابقہ سالانہ اجلاس منعقد ۲۴ مارچ ۷۶ء کی روداد بغرض توثیق - - - - - محمد بشیر ملک ، معتمد انجمن
۴ - رپورٹ کار گزاری انجمن خدام القرآن - - میاں محمد رشید ، ناظم اعلیٰ
۵ - مالیاتی سال ۷۶ء کے آڈٹ شدہ حسابات بغرض منظوری - - - - - قاضی عبدالقادر ، محاسب ا
۶ - رپورٹ اور جملہ حسابات مکتبہ انجمن - - - قمر سعید قریشی ، ناظم م
۷ - ضروری تجاویز مشورے

مؤسسین ، محسنین مستقل اور عام اراکین سے شرکت کی درخواست ہے

نوٹ : حسب شق (ب) دفعہ ۶ - قواعد و ضوابط انجمن حق رائے دہی صرف ان وابستگان انجمن کو حاصل ہو گا جو اپنا ماہانہ زر تعاون جنوری ۷۷ تک ادا کر چکے ہوں - لہذا جن حضرات کے ذمے ماہانہ زر تعاو کی ادائیگی باقی ہو وہ سالانہ اجلاس سے قبل ادائیگی کا اہتمام فرمائیں۔

المعلن : محمد بشیر ملک ، معتمد اعزازی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہو

Regd. L. No. 7360

Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 25 | APRIL 1977 | No. 4

اھالیان ماڈل ٹاؤن ، گارڈن ٹاؤن و گرد و نواح کے لئے خوش خبری
ان شاء اللہ العزیز

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

قرآن اکیڈمی

ی زیرتعمیر عمارت واقع پلاٹ نمبر ۳۶ کے (K - 36) ماڈل ٹاؤن
(جامع مسجد ای بلاک اور موضع مٹرھیاں کے مابین)

درسِ قرآن

دیا کریں گے

اس سلسلے کا پہلا درس جمعرات ، ۳۱ مارچ ۷۷ء کو ہوگا
(خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہوگا)

"صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!"